بعونِ صنّاعِ مکین و مکان بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۴۳

اُردو کا کلاسیکی ادب

سکُنتلا

(کہانی)

از

کاظم علی جوان

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

مقدمہ

۱۔ کچھ مصنف کے بارے میں

۲۔ کچھ کتاب کے بارے میں

از

ڈاکٹر محمد اسلم قریشی

کچھ مصنف کے بارے میں

کاظم علی جوان کی زندگی کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے ہیں ۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا نام اپنے تذکروں میں شامل نہیں کیا ۔ جہاں ان کا ذکر کیا ہے وہاں بھی تذکرہ نگاری کی عام روایت کے بہ موجب بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے ۔ ان کے متعلق ہمیں سب سے پہلے علی ابراہیم خان خلیل کے تذکرے ''گلزار ابراہیم'' سے مختصر سی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ یہ تذکرہ ۱۱۹۸ھ (مطابق ۱۷۸۴ع) میں تحریر ہوا تھا[1] ۔ اس تذکرے میں ۳۲۰ شاعروں کا ذکر ہے ۔ اس میں ۸۴ ویں نمبر پر کاظم علی جوان کے متعلق بیان ہے :

> ''جوان دہلوی ۔ نامش کاظم علی ۔ الحال کہ سن۱۱۹۶ھ ست ، در لکھنؤ می گزارند ۔ در سنہ مذکور اشعار ایشان از لکھنؤ بہ بنارس طلبیدہ تحریر پذیرفت ، ازوست۸ شعر[2] ۔''

۱۔ ''مرأۃالعلوم'' میں ان کا نام عزیزالملک علی ابراہیم خان متخلص بہ خلیل درج ہے اور تذکرے کی تاریخ ۱۲۲۰ھ لکھی ہے ۔ ملاحظہ ہو فہرست نسخ خطی فارسی اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور مسمیٰ بہ ''مرأۃالعلوم'' مرتبہ خان بہادر مولوی عبدالمقتدر ۔ ۱۹۲۵ع صادق پور پریس، پٹنہ ، جلد اول ، صفحہ ۴۵ ۔

۲۔ تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' مولفہ علی ابراہیم خان خلیل مع تذکرہ ''گلشن ہند'' مؤلفہ مرزا علی لطف مرتبہ ڈاکٹر سید محی‌الدین قادری زور ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی (لندن) پروفیسر اردو کلیہ جامعہ عثمانیہ ۔ یہ تذکرہ انجمن ترقیٔ اردو کے لیے باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی مطبع مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ میں ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ع) میں بار اول طبع ہوا ۔ اس میں جوان کے اشعار درج نہیں ہیں ۔ (صفحہ ۹۳)

یہ عبارت جوان کے سکتلا تحریر کرنے سے ۱۹ سال قبل کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نسلاً دہلی کے رہنے والے تھے لیکن ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اکابر شعرائے اردو نے دہلی کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ میں اقامت اختیار کر لی تھی اور لکھنؤ شعر و ادب کا مرجع اور مرکز بن گیا تھا۔

جوان کے متعلق دوسری قدیم تحریر غلام ہمدانی مصحفی کے تذکرۂ ہندی کے دوسرے حصے ''ریاض الفصحا'' میں ملتی ہے۔ اس میں تحریر ہے:

''میرزا کاظم علی، جوان تخلص، سکنۂ شاہجہان آباد، جوان بسیار خلیق است، در مشاعرہ کمتر قدم گذاشتہ چندے رفیق میرزا سیف علی نیز بود، چندے بہ فیض آباد بسر بردہ حالا در کلکتہ رفتہ است ازوست[۱]''

اس کے ساتھ جوان کی ایک غزل کے پانچ شعر نقل کیے گئے ہیں[۲]۔ مصحفی نے اس تذکرے کی تاریخ ''ریاض الفصحا'' سے

۱- ''ریاض الفصحا'' (تذکرۂ ہندی گویاں) از غلام ہمدانی مصحفی، مرتبہ مولوی عبدالحق ۱۹۳۴ع (صفحہ ۷۱)۔

۲- وصل کی گر بزم میں خوش طالعی دے رو مجھے
شکل آئینے کی دیکھوں میں تجھے اور تو مجھے
مدعا طوف حرم سے ہے نہ گشت دیر سے
جستجو اس کی لیے پھرتی ہے ہر اک سو مجھے
کیوں کہ کانٹا سا نہ کھٹکوں نظروں میں ہر اک کی میں
خار جب پہلو میں اپنے سمجھے وہ گل رو مجھے
دامن وصل اس کا کیوں کر ہاتھ آوے گا جوان
ناز سے کہتا ہے وہ، چل چل پرے، مت چھو مجھے
دوست دشمن اپنے بیگانے نظر آتے ہیں سب
کر گئی چشم فسوں ساز اس کا یہ جادو مجھے

۱۲۲۱ھ نکالی ہے لیکن اس کے مقدمے میں مولوی عبدالحق مرحوم کا بیان ہے کہ یہ تاریخ آغاز کی ہے۔ اختتام کی تاریخ ۱۲۳۶ھ ہے۔ ''ریاض الفصحا'' میں مصحفی نے کاظم علی جوان کے رفیق میرزا سیف علی[1] اور جوان کے شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

گارسین دتاسی نے فرانسیسی میں تین جلدوں میں ہندی اور ہندوستانی ادب کی تاریخ تحریر کی تھی[2]۔ جیسا کہ اس کے دیباچے سے

۱۔ میرزا سیف علی بہادر، شگفتہ تخلص، خلف نواب شجاع الدولہ مرحوم و مغفور: شخص جامع الکمالات است، در فن موسیقی و تیراندازی و شناوری و تصویر کشی و کشتی گرفتن و خط نسخ نوشتن دستے تمام دارد و بہ‌مقتضائے موزونیٔ طبع کہ از طفولیت بود، خود را ہمیشہ مصروف غزل‌گوئی داشتند۔ در سرکار ایشاں از موزونان شہر یعنی مرزا کاظم علی جوان تخلص و منتظر و شاہ ملول الہام آمد و شد می کردند۔ رفتہ رفتہ مرتبۂ سخن را بجائے رسانیدند و دیوان ضخیم مرتب ساختند، از قضا آں دیوان در آتش گرفت، خانہ مع اثاث البیت سوختہ ورق ازاں نماند۔ افسردہ شدہ چند سال فکر شعر نہ کردند، آخر چوں ایں ناسور شفا نمی‌پذیرد توجہ بہ گفتن غزل گماشتند و در عرصۂ قلیل بہ ہماں ضخامت دیوان دوم تیار کردند۔ در کثیر الکلامی جناب را صایب ریختہ گفتن مناسب حال است، در فصاحت و بلاغت و معنی بندی و سادہ گوئی و امثال زنانہ و مردانہ نظیر خود نہ دارند۔ فقیر در مشورۂ ایں دیوان شریک از اول تا آخر است۔ سن شریف از شصت متجاوز خواہد بود، من انتخابہ نظم:

کل ترے بیار کی کچھ تھی طبیعت اچھی
آج جو دیکھا تو منہ پر پھر گئی ہے مردنی

(صفحہ ۱۵۵)

۲۔ اس کے سر ورق پر فرانسیسی میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:
History of Hindi and Hindoostani literature by M. Garcin de Tassy. Second Edition, Paris, 1870.

واضح ہوتا ہے دی تاسی نے اس تاریخ کی تدوین میں ''نکات شعرا'' (میر تقی میر) ''تذکرۂ ہندی'' (مصحفی) ''تذکرۂ حسینی'' (فتح علی حسینی) ''گلزار ابراہیم'' (نواب ابراہیم علی خاں) ''گلشن ہند'' (مرزا علی لطف) ''دیوان جہان'' (بینی نرائن جہاں) ''گلدستۂ نشاط'' (منو لال) سے مدد لی ہے۔ اس کا ۱۸۷۰ء کا مطبوعہ نسخہ جو پیرس میں طبع ہوا تھا، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس میں دی تاسی نے کاظم علی جوان کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ[1] یہاں درج کیا جاتا ہے:

''جوان[2]: مرزا کاظم علی دہلوی، ایک بہت مشہور انشا پرداز ہیں۔ وہ ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۱-۸۲ء) میں لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ۱۸۰۰ء میں کرنل اسکاٹ کی دعوت پر کلکتہ آئے۔ یہاں ڈاکٹر گل کرسٹ کے ساتھ جو فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی کے پروفیسر تھے، مددگار کے طور پر شریک کار ہوئے۔ بینی نرائن ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ ۱۸۱۲ء میں کلکتہ میں بقید حیات تھے''۔

۱۔ یہ ترجمہ نصیر احمد ایم۔ اے نے تحریر کیا ہے جو یونیورسٹی لائبریری کے عملے میں شامل ہیں۔

۲۔ دی تاسی نے اس کے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ مصنف شاید وہی ہے جسے شیفتہ نے سید کاظم علی دہلوی لکھا ہے اور محمد ناصر کا شاگرد بتایا ہے۔ لیکن جب ہم شیفتہ کے تذکرے ''گلشن بے خار'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں جوان کا نام دیکھنے میں نہیں آتا۔ ملاحظہ ہو ''گلشن بے خار'' ترجمہ و حواشی از محمد احسان الحق فاروقی، تعارف سید الطاف علی بریلوی، پیش لفظ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، مطبوعہ اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی۔

ان کے صاحب زادوں ممتاز اور عیان نے بھی اپنے والد کی طرح ادب میں شہرت پائی - جوان کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں :

۱- مشہور ہندوستانی رومان ''سکنتلا'' جس کا عنوان ''سکنتلا ناٹک'' ہے - یہ کہانی پہلے نواز نے برج بھاشا میں لکھی تھی - یہ کالی داس کے ڈرامے کی نقل نہیں ہے بلکہ ''مہا بھارت'' کی طرز پر لکھی گئی ہے - یہ کتاب ۱۸۰۲ع میں ناگری رسم الخط میں بڑی تقطیع پر طبع ہوئی[۱] - بعد میں رومن خط میں چھوٹی تقطیع پر ۱۸۰۴ع میں شائع ہوئی - ڈاکٹر گل کرسٹ نے اس کا ایک انتخاب ۱۸۲۶ع میں لندن سے فارسی رسم الخط میں طبع کرایا - ڈبلیو پرائس نے اسے ہندی اور ہندوستانی کی کتابوں کے انتخاب میں شامل کیا جو فارسی اور ہندی رسم الخط میں ہے - اس کا ایک حصہ بمبئی سے بھمن جی داسا بھائی نے شائع کیا -

۲- اس کے بعد قران مجید کے ترجمے کا کام کیا - میرے خیال میں یہ وھی ترجمہ ہے جو ۱۸۰۴ع میں کلکتہ میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی زیر نگرانی طبع ہونا شروع ہوا تھا -

۳- اس کے بعد انھوں نے دکن کے بھمنی دور کی تاریخ

---

[۱] اس کے حاشیے میں دی تاسی نے اس کا اصل نام "Hindi Manual or Casket of India" لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ تصنیف ۳۰ صفحات پر مشتمل تھی -

مرتب کی - اس تاریخ کا ذکر روبک (Roebuck) کی فورٹ ولیم کالج کی تاریخ میں صفحہ ۱۵۹ پر کیا گیا ہے -

۴- پھر ''بارا ماسا'' طبع کیا - ان کے تمام کارناموں میں یہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے - یہ مثنوی کی طرز پر نظم میں ہے - اس کا دوسرا نام ''دستور ہند'' یعنی ہندوستانی رسم و رواج ہے - اس کا مقابلہ Ovid's Fasts سے کیا جا سکتا ہے - یہ ۱۸۱۲ع میں طبع ہوئی - اس میں مصنف نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے تیوہاروں کا ذکر کیا ہے - اس میں چاند اور سورج کی سالانہ گردش کے طبیعی مظاہر کا بھی بیان کیا گیا ہے ، خاص طور پر یہاں چاند اور سورج کے قِران کا ذکر ہے جو ۸۵۸ھ (مطابق یکم جنوری ۱۴۵۴ع) میں واقع ہوا تھا - میں ان کی اس تصنیف میں سے کچھ حصے نیچے درج کرتا ہوں - ان میں سے کچھ حصوں کو میں نے اپنی یاد داشتوں بہ عنوان ''ہندوستان میں مسلمانوں کا مذہب'' میں نقل کیا ہے - اسی طرح میں نے اپنی کتاب ''ہندوؤں کے مشہور تیوہار'' میں بھی اس کے کچھ حصے شامل کیے ہیں - اس موضوع پر بہت سی ہندوستانی تصانیف ملتی ہیں - میں پہلے گوپال کا ذکر کر چکا ہوں اور اسی طرح بعد میں وحشت کا ذکر کروں گا - شاہی کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جو بہت دلچسپ ہے - اس کا نام ''دوازدہ ماسہ'' ہے - اس کا موضوع بھی اسی

نوعیت کا ہے - یہ بڑی تقطیع پر ۲۸ صفحات کی مثنوی ہے جو چھوٹے چھوٹے بارہ حصوں میں تقسیم ہے - یہ کلکتہ میں نقل کی گئی تھی - اس میں مصنف کا ذکر نہیں -

۵- جوان نے بہت سے اشعار بھی کہے ہیں جو بعد میں شاید دیوان کی صورت میں تدوین ہوئے ہوں - ان میں چند ''گلزار ابراہیم'' میں نقل کیے گئے ہیں اور "Stranger's East India Guide" میں بھی مندرج ہیں - بینی نرائن نے اس مشہور مصنف کی بارہ غزلیں نقل کی ہیں - ان میں سے دو غزلیں ۲۴ جولائی کو (شاید ۱۸۱۴ع میں) کلکتہ کے مشاعرے میں پڑھی گئی تھیں[1] -

۶- آخر میں للو لال سے مل کر ''سنگاسن بتیسی'' کا ترجمہ کیا، ''خرد افروز'' پر نظر ثانی کی اور سودا کے کلام کا انتخاب کیا - جوان کی ایک مختصر غزل کا ترجمہ حسب ذیل ہے[2] -''

گارسین دی تاسی نے اس تصنیف کے صفحات ۹۴ اور ۹۵ پر جوان کے اشعار کا ترجمہ فرانسیسی میں کیا ہے اور صفحہ ۹۵ سے ۱۰۲ تک ''بارا ماسا'' کے کچھ حصوں کا ترجمہ شامل کیا ہے - دی تاسی نے جوان کے صاحب زادوں کو بھی اس تصنیف میں

۱- اس سلسلے میں مولوی سید محمد کا بیان ملاحظہ ہو ''ارباب نثر اردو'' -

۲- گارسین دی تاسی ''ہندی اور ہندوستانی ادب کی تاریخ'' صفحہ ۹۲ تا ۹۴ (جلد دوم) -

شامل کیا ھے - مرزا ھاشم علی عیاں[1] کے بیان میں بینی نرائن کے دیوان میں مندرجہ چھ اشعار کا فرانسیسی ترجمہ کیا گیا ھے اور لکھا ھے کہ انھوں نے شاعری میں اپنے والد کا تتبع کیا - اسی طرح مرزا قاسم علی ممتاز[2] کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ھے کہ بینی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ھے -

گارسین دی تاسی کی مذکورہ تصنیف سے ایف فیلن اور مولوی کریم الدین نے ''تذکرہ طبقات الشعرائے ھند'' مرتب کیا[3] - اس میں نو سو چونسٹھ شاعروں کو شامل کیا گیا ھے - ان کی زندگی کے حالات اور اشعار کا نمونہ بھی درج کیا ھے - اس کے دیباچے سے واضح ھوتا ھے کہ اس میں شعرا کی دو قسمیں قرار دی گئی ھیں - قسم اول میں متقدمین ، قسم ثانی میں چار طبقے مقرر کیے ھیں : اول جنھوں نے شعر کہنا شروع کیا اور اس زبان کی بنیاد ڈالی، دوسرے طبقے میں ان شعرا کا حال ھے جن کو بانی اردو اور مصلح اردو کہنا چاھیے - تیسرے طبقے میں ان شاعروں کا بیان ھے جو طبقۂ ثانیہ کے شعرا کے شاگرد گزرے ھیں اور انھوں نے زبان کی تراش‌خراش میں بہت کوشش کرکے نئے نئے محاورات کو استعمال میں

۱- گارسین دی تاسی : ''ھندی اور ھندوستانی ادب کی تاریخ'' جلد اول صفحہ ۲۵۷ و ۲۵۸ -

۲- ایضاً - جلد دوم ، صفحہ ۲۸۱ -

۳- اس کے سر ورق پر یہ عبارت درج ھے :

A History of Urdu Poets. Chiefly translated from Garcin de Tassy's "History de ld Literature Hindovie at Hindoostanie by F. Fallon Esq and Maulvee Kareemaddin with additions. Delhie College, 1848.

لا کر زبان اردو کو رونق بخشی ۔ چوتھے طبقے میں انھوں نے اپنے ہم عصر شعرا کا حال لکھا ہے جن سے ان کی ملاقات تھی ، یا وہ اس زمانے میں موجود تھے ، اگرچہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی[1] ۔

اس تذکرے میں متقدمین میں نواز کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور لکھا ہے :

''قسم اول (بیان متقدمین کا) نواز ، کبشوار ۔ یہ شخص مسلمان ہے ، اس نے شکنتلا کا ترجمہ براج بھاکھا نظم میں کیا ہے ۔ فرخ سیر کے حسب خواہش یہ ترجمہ اوس نے کیا تھا''۔

اس تذکرے میں مرزا کاظم علی جوان کو قسم دوم ، طبقۂ سوم کے شعرا میں شمار کیا گیا ہے ۔ جوان کے حال میں اختصار کے ساتھ وہی کچھ بیان کیا گیا ہے جو گارسین دی تاسی نے لکھا ہے ۔ یہاں دی تاسی کے بیانات سے موازنے کی غرض سے جوان کا حال درج کیا جاتا ہے :

''مرزا کاظم علی جوان دهلوی ، بہت نام ور مصنف درمیان ١١٩٦ھ کے لکھنؤ میں رہتا تھا اور ١٨٠٠ع میں وہ کلکتہ کو بہ موجب طلب کرنیل اسکٹ صاحب کی گیا ۔ وهاں جا کر گلکرسٹ صاحب کا مددگار تصانیف کا هوا ۔ بینی نرائن بیان کرتا ہے کہ کلکتہ میں ١٨١٣ع کے وہ زندہ تھا ۔ وهاں اس کے بیٹوں عیاں اور ممتاز نے بھی مثل باپ کے شہرت

١۔ ''تذکرۂ طبقات الشعرائے ہند'' از ایف فیلن اور مولوی کریم الدین مطبوعہ باهتمام سید اسرف علی مطبع العلوم مدرسہ دھلی ١٨٤٨ع، صفحہ ٩۔

٢۔ ''طبقات الشعرائے ہند'' ۔ صفحہ ٢٦ ۔

پائی ۔ اس جوان نے ایک کتاب مسمی ''سکنتلا'' ناٹک پسندیدہ لکھی ہے ۔ یہ قصہ اول میں زبان براج بھاکھا میں تصنیف ہوا تھا ۔ لیکن وہ کالی داس کے طور پر نہیں ہے بلکہ مہابھارت کے طور پر ۔ یہ کتاب درمیان کلکتہ کے ۱۸۰۲ء میں ناگری حرفوں میں چھپی تھی اور انگریزی حرفوں میں درمیان ۱۸۰۴ء کے ۔ بعد ازاں قرآن شریف کا اوس نے اردو میں ترجمہ تصحیح ڈاکٹر گلکرسٹ صاحب کیا ۔ اور بہ طور ایک ''تاریخ فرشتہ'' کے اوس نے ایک تاریخ باعمنی بادشاہی خاندان دکھن کی تصنیف کی اور ایک ''بارہ ماسہ'' جو بہت پسندیدہ اوس کی تصنیف ہے اور اس کا نام ''دستور ہندی'' بھی ہے ، وہ بھی اوس نے تصنیف کیا ۔ اس کتاب میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی رسوم اور تہواروں اور عادتوں کا بیان ہے اور گردش آفتاب اور چاند کے قران کا جو درمیان ۸۵۸ ھجری کے واقع ہوا تھا ۔ اور بہت سے شعر بھی اوس کے تصنیف سے ہیں ، اغلب ہے کہ اوس کا دیوان بھی بنا ہو اور ''سنگاسن بتیسی'' کا بھی اوس نے ترجمہ کیا ہے اور ''خرد افروز'' اور ''انتخاب سودا'' کا بھی وہ ھی مؤلف ہے[۱] ۔''

کلیم الدین احمد نے دو تذکرے مرتب کیے ہیں : ''تذکرہ شورش'' اور ''تذکرہ عشقی'' ۔ ''تذکرہ عشقی'' میں انھوں نے جوان کا بھی ذکر کیا ہے ۔ لکھتے ہیں :

''جوان تخلص ، دھلوی ، اسمش کاظم علی ، مردے

۱- ایضاً ۔ صفحہ ۳۱۴ ۔

سوزون طبع جوانانه وضع است ، از چندے در شہر
لکھنؤ قیام دارد ، ازوست :

تیرے رو سے ہر کو دیتا ہے پیارے رو مجھے
منہ لگاتا ہی نہیں افسوس لیکن تو مجھے''

(صفحہ ۱۸۱)

منشی بینی نرائن جہان[1] جو لاہور کے رہنے والے تھے ۔ فورٹ ولیم کالج کے دوسرے دور میں کلکتہ پہنچے تھے - ۲۴ فروری ۱۸۰۴ع کو جب جان گل کرسٹ کا استعفا منظور کیا گیا اور وہ یورپ واپس چلے گئے تو ان کی جگہ کپتان ٹامس رونک کا تقرر عمل میں آیا - جہان نے اپنا تذکرہ اور دیوان انہیں کے ایما سے ۱۸۱۴ع میں مرتب کیا تھا - اس میں ۱۲۵ شعرا کا اجمالی ذکر ہے۔ اس کے آخر میں ایک گلدستہ ۲۲ جولائی ۱۸۱۵ع کے مشاعرے کا ہے[2]۔ اس میں کاظم علی جوان ، افتخر الدین علی خان شہرت ، سیہ حیدر بخش حیدری، سید جعفر علی رواں لکھنوی ، ابوالقاسم خان قاسم دہلوی ، مظہر علی ولا دہلوی کے علاوہ جوان کے بڑے

۱- گارسین دی تاسی نے ''ہندی اور ہندوستانی ادب کی تاریخ'' بزبان فرانسیسی میں منشی بینی نرائن کے متعلق لکھا ہے :

''بینی نرائن جہان لاہوری ثم دہلوی مہاراجہ قدرت نرائن رائے کے بیٹے اور لکشمی نرائن کے پوتے تھے ، آن کے بھائی کھیم نرائن رند ہیں ''۔ (جلد اول صفحہ ۳۱۹)

دی تاسی نے ''دیوان جہان'' کا تفصیلاً ذکر کیا ہے (جلد اول صفحہ ۳۲۰)

۲- گارسین دی تاسی نے کاظم علی جوان کے بیان میں یہ تاریخ مختلف درج کی ہے - مندرجہ بالا تاریخ ''ارباب نثر اردو'' از مولوی سید محمد سے اخذ کی گئی ہے -

صاحب زادے مرزا قاسم علی ممتاز اور چھوٹے صاحب زادے مرزا ہاشم علی عیاں کا کلام بھی شامل ہے ۔

مولوی عبدالغفور خان نساخ نے ''تذکرۂ سخن شعرا'' اکتوبر ۱۸۷۴ع (مطابق ۱۲۹۱ ھ) میں تالیف کیا تھا۔ اس کے سرورق پر مؤلف کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

''سخن شعرا، تالیف سخن فہم، سخن دان، نکتہ سنج، نکتہ دان جناب مولوی عبدالغفور خان بہادر متخلص بہ نساخ''۔

اس میں کاظم علی جوان کا ذکر نہیں لیکن ان کے شاگردوں اور صاحب زادوں کو شامل کیا گیا ہے[۱] ۔ اس میں مرزا سیف علی شگفتہ کو[۲] کاظم علی جوان کے شاگردوں میں شمار کیا ہے جن کے متعلق مصحفی کا بیان پہلے درج کیا جا چکا ہے ۔

فورٹ ولیم کالج کے ادارے میں مرزا علی لطف بھی شامل تھے ۔ انھوں نے ''گلشن ہند'' کے نام سے شعرا کا ایک تذکرہ ۱۸۰۱ع (مطابق ۱۲۱۵ ھ) میں مرتب کیا تھا ۔ اس کی دو

۱- ''سخن شعرا'' صفحہ ۳۳۸ : ''عیاں : مرزا ہاشم علی ولد مرزا کاظم علی جوان مقیم کلکتہ :

خوش اداؤں کے ہمیشہ ناز اوٹھایا چاہیے
جب وہ روٹھیں پاؤں پڑ پڑ کے منایا چاہیے

ایضاً صفحہ ۵۵۴ : ممتاز تخلص ، مرزا قاسم علی خلف مرزا کاظم علی جوان ، مقیم کلکتہ :

تم کو دیتا ہوں قسم اے حاضران بزم یار
بھولے چوکے یاد میری بھی دلایا چاہیے''

۲- ''شگفتہ سیف الدولہ سیف علی خان خلف شجاع الدولہ صاحب دیوان ۔'' ''سخن شعرا'' صفحہ ۲۵۱ ۔

جلدیں تھیں - پہلی جلد میں سلاطین ، وزراء ، امراء اور نام ور صاحب دیوان شعرا کا ذکر کیا گیا تھا اور دوسری جلد میں گم نام، غیر مشہور یا نومشق شعرا کا - دوسری جلد ناپید ہے - پہلی جلد کے ۱۲۳۵ھ کے لکھے ہوئے نسخے کو ۱۹۰۶ع میں مولانا شبلی نعمانی نے تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا[۱] - مرزا علی لطف نے تذکرہ ''گلزار ابراهیم'' سے استفادہ کیا ہے اور پہلی جلد میں ۳۲۰ شعرا میں سے اپنے سمیت ۶۹ شاعروں کو منتخب کیا ہے - اس میں کاظم علی جوان کا نام شامل نہیں ؛ البتہ ۱۹۰۶ع کے مطبوعہ نسخے کے ساتھ مولوی عبدالحق صاحب کا مقدمہ شامل ہے: اس میں انھوں نے کاظم علی جوان کے متعلق اختصار کے ساتھ انھیں باتوں کا اعادہ کیا ہے جو تذکرہ ''طبقات الشعرائے ہند'' میں درج ہیں - انھوں نے لکھا ہے :

> ''کاظم علی جوان بھی دہلی کے تھے اور ازاں بعد لکھنؤ میں آئے اور وہاں سے ۱۸۰۰ع میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں آئے - انھوں نے ۱۸۰۲ع میں 'سکنتلا' کا قصہ اردو میں لکھا - نواز کبیشر نے جو برج بھاکا میں (۱۷۱۶ع) 'سکنتلا' کہانی لکھی تھی، اس کا یہ ترجمہ ہے - انھوں نے ایک ''بارہ ماسہ'' بھی لکھا ہے اور اس میں ہندو مسلمانوں کے تیوهاروں کا ذکر ہے جس کا نام ''دستور ہند'' ہے اور جو ۱۸۱۲ع

۱- ''گلشن ہند'' تصحیح و تحشیہ از شمس العلما مولوی شبلی مقدمہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے پرنسپل مدرسہ آصفیہ حیدرآباد دکن مطبوعہ باہتمام عبداللہ خان - ۱۹۰۶ع (صفحہ ۶)

میں چھپا۔''

گرسین دی تاسی اور کریم الدین نے سکنتلا کے چھپنے کی تاریخ ١٨٠١ع لکھی تھی ۔ لیکن مولوی عبد الحق صاحب نے اسے تحریر کی تاریخ لکھ دیا اور اسے نواز کی سکنتلا کا ترجمہ قرار دے دیا ۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دیباچے کی تحریر کے وقت مذکورہ مآخذ ان کے پیش نظر نہ تھے ۔ آئندہ لکھنے والے مولوی عبدالحق کی ان فروگزاشتوں کو دہراتے رہے ہیں ۔ چنانچہ محمد یحییٰ تنہا نے ''سیر المصنفین'' (جلد اول) میں ان غلطیوں کو دہرایا ہے ۔ اس سلسلے میں ان کا بیان ملاحظہ ہو :

> ''آپ کا نام کاظم علی اور جوان تخلص ہے ۔ آپ بھی دہلی کے تھے ۔ بعد ازاں لکھنؤ میں آئے اور وہاں سے ١٨٠٠ع میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں آئے ۔ آپ نے ١٨٠٢ع میں 'شکنتلا' کا قصہ اردو میں لکھا اور اس کا نام 'شکنتلا ناٹک' رکھا ۔ یہ کتاب ١٨٠٢ع میں چھپ کر شائع ہوئی ۔ نواز کبیشر نے جو برج بھاکا میں (١٧١٦ع) شکنتلا کی کہانی لکھی تھی اس کا یہ ترجمہ ہے ۔ آپ نے 'بارہ ماسہ' بھی لکھا ہے اور اس میں ہندو مسلمانوں کے تہواروں کا ذکر ہے جس کا نام ''دستور ہند'' ہے اور جو ١٨١٢ع میں چھپا ۔ افسوس ہے کہ اب دونوں کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں، لہذا نمونہ پیش کرنے سے معذوری ہے ۔ جوان نے ''تاریخ فرشتہ''

١۔ ''گلشن ہند'' از مرزا علی لطف ، مرتبہ مولانا شبلی نعمانی۔ ١٩٠٦ع (ص ٦٩) ۔

خاندان بہمنی کا ترجمہ بھی ہندوستانی میں کیا (۱۸۰۹ع)
نیز للولال کی شرکت سے "سنگھاسن بتیسی" کا ترجمہ
ہندوستانی زبان میں کیا (۱۹۰۵ع)[1]۔"

مولوی سید محمد نے فورٹ ولیم کالج کی ادبی سرگرمیوں کے متعلق اپنی تحقیقات کو "ارباب نثر اردو"[2] میں پیش کیا ہے۔ اس میں کاظم علی جوان کی زندگی کے حالات میں مذکورہ بالا بیانات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، اگرچہ ان کے تالیفی کارناموں کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب "ارباب نثر اردو" نے زیادہ انحصار گارسین دی تاسی اور ان کے مقلدین کے بیانات پر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے "سنگھاسن بتیسی" کو بعد کا کارنامہ بیان کیا ہے، اگرچہ یہ پہلے کی تالیف ہے۔ مزید براں جوان کی سکنتلا کو نہ صرف نواز کی سکنتلا کا ترجمہ قرار دیا ہے بلکہ اسے ڈراما بنا دیا ہے۔ حامد حسن قادری نے جب "داستان تاریخ اردو[3]" تحریر کی تو ان کے پیش نظر "ارباب نثر اردو" تھی؛ چنانچہ انھوں نے کاظم علی جوان کے سلسلے میں تمام تر وہی معلومات فراہم کی ہیں جو مولوی سید محمد پیش کر چکے تھے، بلکہ ان کے تتبع میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "کاظم علی جوان کی یہ سکنتلا اردو میں پہلا ناٹک یا ڈراما ہے[4]۔"

۱- "سیر المصنفین" از محمد یحیٰی تنہا، دار الاشاعت غازی آباد ۱۹۲۴ع، ص ۱۱۹ و ۱۲۰۔

۲- "ارباب نثر اردو" ۔ از مولوی سید محمد ایم ۔ اے (عثمانیہ) ۔

۳- "داستان تاریخ اردو" ۔ حامد حسن قادری مطبوعہ لکشمی نرائن اگروال تاجر کتب آگرہ ۱۹۳۸ ص ۱۱۴ تا ۱۱۷ ۔

۴- ایضاً ص ۱۱۶ ۔

مذکورہ بالا تمام بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ جوان کی "سکنتلا" ان میں سے کسی صاحب کی نظر سے نہیں گذری ۔ بعد کے لکھنے والے اپنے قدما کی تحریروں پر انحصار کرتے رہے ہیں ۔ چنانچہ ان کے یہاں وہی غلطیاں نظر سے گزرتی ہیں جو پہلے حضرات سے سرزد ہو چکی تھیں ۔ محمد عتیق صدیقی نے "گل کرسٹ اور اس کا عہد"[1] کے نام سے فورٹ ولیم کالج کی کار گزاریوں کے متعلق بہت مفید معلومات فراہم کی ہیں ۔ اگرچہ اس میں بھی بعض سنین میں اختلاف ملتا ہے جو الگ بحث ہے ۔

تاحال فراہم شدہ معلومات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کاظم علی جوان دھلی کے رہنے والے تھے ۔ جب دھلی تباہ ہوئی اور لوگوں نے اسے خیرباد کہہ کر لکھنؤ کو آباد کیا تو یہ بھی اسی زمانے میں آ کر اقامت گزیں ہوئے ۔ ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ع میں یہ لکھنؤ میں موجود تھے ۔ جوان شعر و شاعری میں خاصی دلچسپی لیتے تھے ، اگرچہ مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے تھے ۔ اسی زمانے میں بنارس میں ابراھیم خلیل نے اپنے تذکرے کے لیے ان سے نمونۂ کلام طلب کیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں جوان کا شمار لکھنؤ کے معروف شعرا میں ہوتا ہوگا ۔ ۱۰ نومبر ۱۸۰۰ع کو جب یہ لکھنؤ ہی میں موجود تھے ، ان کا اور مظہر علی ولا کا تقرر فورٹ ولیم میں ہوا ۔ اس تقرری کی اطلاع دیتے ہوئے کرنل اسکاٹ نے چیف سیکرٹری کے نام ایک مراسلہ تحریر کیا ۔ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو :

۔ ۔ ۔ ۔ یہ خط میرزا کاظم علی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جو منشی اور شاعر ہیں ۔ ان کو ۸۰ روپیہ

---

۱ ۔ "گل کرسٹ اور اس کا عہد" ۔ محمد عتیق صدیقی ۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ ۱۹۶۰ع ۔

ماہانہ پر کالج کے لیے ۱۰ تاریخ ماہ حال سے میں نے
بھرتی کیا ہے - ۲۹۳ روپے ان کو بطور پیشگی دیے
گئے ہیں جن سے ان کی فروری (۱۸۰۱ء) تک کی
تنخواہ ادا ہو جاتی ہے - یہ دہلی کے رہنے والے ہیں۱۔"

معلوم ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں تقرری کے امیدواروں میں میر تقی میر بھی شامل تھے لیکن شاید ضعیف العمری کے باعث ان کا انتخاب نہ ہو سکا اور جوان اور ولا کو منتخب کرلیا گیا ۔ مرزا علی لطف نے اس پر تاسف کا اظہار کیا[۲] ہے - اس کے بعد جوان کلکتہ روانہ ہو گئے[۳] - کلکتہ پہنچنے کے دوسرے ہی روز "سکنتلا" کی تحریر کا کام ان کے سپرد کر دیا گیا[۴] ۔ کاظم علی جوان کا ۱۸۱۵ء تک اس کالج سے منسلک رہنا اور تالیف و ترجمہ اور نظر ثانی کا کام سر انجام دینا ثابت ہے - اس زمانے میں ان کے بیٹے میرزا قاسم علی ممیز اور میرزا ہاشم علی عیاں بھی کالج کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - کالج کونسل کی کارروائیوں سے واضح ہوتا ہے کہ جوان کو ان کی ادبی کار گزاریوں پر انعامات بھی دیے گئے - "سکنتلا" کی تحریر پر سو روپے

۱- "گل کرسٹ اور اس کا عہد" محمد عتیق صدیقی ، صفحہ ۱۶۰ -
۲- ایضاً صفحہ ۱۶۱ -
۳- کالج کونسل کی کارروائی مورخہ ۲۹ اپریل ۱۸۰۱ء میں جن منشیوں کی تقرری کی فہرست درج ہے اس میں کاظم علی جوان اور مظہر علی خاں ولا کا نام شامل نہیں - ملاحظہ ہو "گل کرسٹ اور اس کا عہد" از محمد عتیق صدیقی ص۱۰۳ - مؤلف مذکور اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "تعجب ہے کہ ان کے نام اس فہرست میں شامل نہیں ، اگرچہ نومبر ۱۸۰۰ء میں ان دونوں کا تقرر ہو چکا تھا" صفحہ ۱۶۰ -
۴- "سکنتلا" - کاظم علی جوان ، مجلس ترقی ادب ص۴ -

''سنگھاسن بتیسی'' پر ۲۰۰ روپے ، ''بارہ ماسہ'' پر ۲۰۰ روپے ، ''ترجمہ قرآن'' پر ۱۰۰ روپے انعام ملا - کاظم علی جوان پہلے پہل ۸۰ روپے ماہوار پر ملازم ہوئے تھے لیکن بعد میں ان کے ماہانہ مشاہرے میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا - کالج کونسل نے ۷جون ۱۸۰۲ع کو ہندوستانی شعبے کے عملے کی جدید تفصیل منظور کی تھی - اس میں کاظم علی جوان کے لیے آٹھ سو روپے ماہوار درج ہیں -

فورٹ ولیم کالج میں تقرری کے دوران ان کی تالیفات و تراجم کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

۱- ''سکنتلا'' : یہ ۱۸۰۱ع میں مکمل ہوئی - اس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا -

۲- ''سنگھاسن بتیسی'' : مولوی سید محمد نے لکھا ہے کہ ۱۸۰۵ع میں جوان نے للو لال کو سندر کبیشور کی کتاب ''سنگھاسن بتیسی'' کے ترجمے میں مدد دی لیکن محمد عتیق صدیقی کی فراہم کردہ معلومات سے واضح ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کی رپورٹ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۸۰۱ع کے مطابق گیارہ کتابیں تصنیف و تالیف یا ترجمہ ہو چکی تھیں اور طباعت کی منزل سے گزر رہی تھیں - ان میں جوان کی ''سنگھاسن بتیسی'' اور ''سکنتلا'' بھی شامل ہے - مزید برآں سیکرٹری کالج کونسل کی یکم فروری ۱۸۰۲ع کی رپورٹ میں ان کتابوں کی فہرست شامل ہے جن کا انتخاب شائع کرنا طے پایا تھا - اس

۱- ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' : محمد عتیق صدیقی ، ص۱۹۳ -

فہرست میں جوان کی مذکورہ دونوں کتابیں شامل ہیں[1]۔

۳- ''بارہ ماسہ'' : مولوی سید محمد کے بیان کے مطابق یہ مثنوی ۱۸۰۲ع میں مکمل ہو چکی تھی - گرسین دی تاسی نے لکھا ہے کہ یہ ۱۸۱۲ع میں طبع ہوئی -

۴- ''قرآن مجید'' : ۱۸۰۳ع میں کاظم علی جوان قرآن مجید کا ترجمہ درست کرتے تھے - ترجمے کا کام ابتدآ مولوی امانت اللہ اور میر بہادر علی حسینی کے سپرد کیا گیا تھا ، بعد میں مولوی فضل اللہ اور کاظم علی جوان کو بھی اس کام میں شریک کر لیا گیا - ۱۸۰۳ع میں ترجمہ ختم ہوا اور فروری ۱۸۰۷ع تک اس کے ۵۶ صفحات چھپ چکے تھے- ۱۹ اگست ۱۸۰۳ع کو ''گل کرسٹ'' نے کتابوں کی ایک فہرست انعامات کے لیے پیش کی تھی - یہ پہلے التوا میں پڑی رہی اور پھر مارچ ۱۸۰۷ع کو کالج کونسل کے ڈائرکٹر ہنٹر نے چیف سیکرٹری کو خط لکھا اور انعامات دینے منظور کیے - اس میں قرآن مجید کے ترجمے کے لیے پانچ سو روپے جوان کے لیے منظور کیے گئے تھے -

۵- ''تاریخ فرشتہ'' : ۱۸۰۹ع میں ''تاریخ فرشتہ'' کے اس حصے کا ترجمہ کیا جو سلاطین بہمنی سے متعلق ہے -

۶- ''انتخاب سودا '' : کاظم علی جوان اور شیر علی افسوس نے

۱- ایضاً ص ۱۹۴ -

: مل کر "کلیات سودا" کا انتخاب کیا - یہ انتخاب ۱۸۱۰ع میں طبع ہوا -

۷- "انتخاب میر" : اس کے بعد کاظم علی جوان ، مولوی محمد اسلم ، منشی غلام قادر اور مرزا جان طپش کے اشتراک عمل سے "کلیات میر" کا انتخاب ہوا جو ۱۸۱۱ع میں طبع ہوا -

۸- "خرد افروز" : ۱۸۰۵ء میں شیخ حفیظ الدین کی مترجمہ "خرد افروز" طبع ہوئی تھی - پھر اس کے دوسرے اڈیشن کے لیے ۱۸۱۵ء میں کاظم علی جوان نے اس پر نظر ثانی کی -

۱۸۰۰ء کے اواخر میں کاظم علی جوان کو کہا گیا تھا کہ "سکنتلا ناٹک کا ترجمہ اپنی زبان کے موافق کرو -" للوجی لال کب کو حکم ہوا تھا کہ وہ بلاناغہ لکھایا کرے[۱] - یہ کام ۱۸۰۱ع مطابق ۱۲۲۵ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا - انھوں نے اس کے ساتھ ایک مختصر سا دیباچہ بھی شامل کیا جو مندرجہ ذیل شعر سے شروع ہوتا ہے اور جس میں انھوں نے اپنے ماخذ اور

۱- "سکنتلا" مطبوعہ مجلس ترقی ادب ، صفحہ ۴ - محمد عتیق صدیقی کا بیان ہے کہ "بیتال پچیسی" "سکنتلا ناٹک" اور "سنگھاسن بتیسی" کے سلسلے میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ تمام متداول ادبی تاریخوں میں ان کتابوں کے مترجم کی حیثیت سے کاظم علی جوان اور مظہر علی ولا کے ساتھ ساتھ للولال کا نام بھی لیا جاتا ہے لیکن یہ تینوں کتابیں للولال کے تقرر سے بہت پہلے ترجمہ ہو چکی تھیں ، لیکن آگے چل کر ان کتابوں کے جو اڈیشن شائع ہوئے ان کی تیاری میں غالباً للولال بھی شریک تھے" ("گل کرسٹ اور اس کا عہد" - صفحہ ۱۹۵) - محمد عتیق صدیقی کے بیان کے مطابق للولال کا تقرر ۲ جون ۱۸۰۲ء کو ہوا تھا - ۱۱ جون ۱۸۰۴ء کو غیر ضروری قرار دے کر برطرف کر دیے گئے - دوبارہ تقرری کی تاریخ معلوم نہیں ("گل کرسٹ اور اس کا عہد" صفحہ ۱۹۵) -

ترجمے کی تاریخ کا ذکر کیا ہے :

خدا کا نام لے پہلے زباں پر   لگا پوز دل کو اپنے داستان پر

جب گل کرسٹ نے کالج کے مؤلفین کی کتابوں کے نمونوں کا انتخاب مرتب کیا تو اس میں ''سکنتلا'' کو بھی شامل کیا گیا ۔ مولوی سید محمد نے اس انتخاب کا نام ''بیاض ہندی'' لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ۱۸۰۳ع میں طبع ہوئی[1] ۔ بہ قول محمد عتیق صدیقی اس کا اصل نام ''The Hindoostani Manual or Casket of India'' ہے ۔ یہ جدید ہندوستانی ادب کا پہلا انتخاب تھا ۔ پہلے پہل یہ انتخاب ناگری رسم الخط میں طبع ہوا، پھر یہ کتاب رومن اور فارسی رسم الخط میں بھی شائع کی گئی ۔ محمد عتیق صدیقی کے بیان کے مطابق اس کی دو جلدیں تھیں ۔ پہلی جلد ۱۸۰۲ع میں اور دوسری جلد ۱۸۰۶ع میں شائع ہوئی[2] ۔ مولوی سید محمد کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس انتخاب میں ''سکنتلا'' کا طویل اقتباس بھی شامل کیا گیا تھا لیکن گارسین دی تاسی اور محمد عتیق صدیقی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سکنتلا'' کو مکمل طور پر شامل کیا گیا تھا ۔ خود جوان نے اس کی پہلی اشاعت کے بارے میں لکھا ہے کہ ''بہت سا بڑھنے لکھنے میں آیا اور کچھ چھپ کر اتفاقات سے رہ گیا[4] ۔

۱۸۰۴ع میں گل کرسٹ اس کی ازسرنو اشاعت کے لیے آمادہ

۱۔ ارباب نثر اردو ، از مولوی سید محمد ۔

۲۔ ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' محمد عتیق صدیقی ۔

۳۔ ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' ۔ محمد عتیق صدیقی، ص ۱۹۱ ۔ اس سلسلے میں گذشتہ صفحات میں گارسین دی تاسی کا بیان بھی ملاحظہ ہو ۔

۴۔ سکنتلا : کاظم علی جوان ۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۔

ہوئے؛ چنانچہ انھوں نے جوان کو نظر ثانی کا حکم دیا۔ ان دنوں جوان قرآن شریف کے ترجمے کا محاورہ درست کر رہے تھے[1]۔ اس کام کے ساتھ ساتھ انھوں نے ''سکنتلا'' پر نظر ثانی کی اور مختصر سے دیباچے کا مزید اضافہ کیا جو حمد سے شروع ہو کر مذکورہ بالا شعر تک ہے۔ نظر ثانی کے بعد یہ کتاب اسی سال کالج کی طرف سے رومن رسم الخط میں اشاعت پذیر ہوئی[2]۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی اشاعت ہوتی رہی۔ مولوی سید محمد کے بیان کے مطابق گل کرسٹ کی کتاب ''مکالمات'' ۱۸۲۶ء میں لندن سے طبع ہوئی تو اس کے ساتھ ضمیمے کے طور پر ''سکنتلا'' کو بھی شامل کیا گیا[3]۔ ۱۸۲۷ء میں فورٹ ولیم کالج کے مؤلفین کی تالیفات و تراجم کا ایک انتخاب کیا گیا۔ اس انتخاب کی دو جلدیں ہیں[4]۔ جلد اول میں ہندوستانی اور برج بھاشا کی گریمر کے ساتھ ہندی کی کتابوں کا انتخاب شامل ہے۔ دوسری جلد میں باغ و بہار، گل بکاؤلی،

۱۔ زیرنظر اشاعت (صفحہ ۴) اور ''سکنتلا ناٹک'' مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۵ء صفحہ ۳ پر سن ۱۸۰۰ء درج ہوا ہے جو غلط ہے۔ ۱۸۰۴ء ہونا چاہیے۔

۲۔ ملاحظہ ہو گارسین دی تاسی کا بیان۔

۳۔ گارسین دی تاسی نے لکھا ہے کہ گل کرسٹ نے اس کا ایک انتخاب ۱۸۲۶ء میں لندن سے فارسی رسم الخط میں طبع کرایا۔

۴۔ ان جلدوں کے سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

"Hindic and Hindoostanee Selections to which are prefined the rudiments of Hindoostanee and Brug Bhakha Grammar. Compiled for the use of the interpreters to the Native Corps of the Bengal army prined at the Hindoostani Press, Fancy Lane, 1827."

آرایش محفل ، اخلاق ہندی ، سکنتلا ، حکایات لطیف در عبارت ملیس ، منتخب اشعار از شعرائے ہند ، سرود ہائے مروجہ ریختہ اور مکالمات شامل ہیں ۔ یہ انتخاب فورٹ ولیم کالج کے صدر منشی ترینی چرن مترا نے مرتب کیا تھا[۱] اور اس پر ہندی اور ہندوستانی زبان کے پروفیسر ولیم پرائس نے ۱۵ فروری ۱۸۲۷ع کو پیش لفظ تحریر کیا ۔ اس میں سکنتلا کا انتخاب نہیں کیا گیا بلکہ مکمل طور پر شامل ہے لیکن جوان کا دیباچہ حذف کردیا گیا ہے ۔ یہ انتخاب ہندوستانی پریس ، فینی لین سے ۱۸۲۷ع میں طبع ہوا ۔ ۱۸۳۸ع میں اسے بہمن جی دوسا جی نے بمبئی سے شائع کیا ۔ ۱۸۶۲ع (۱۲۷۹ھ) میں مطبع انجمن ہند لکھنؤ سے طبع ہوئی ۔ اس اشاعت میں اس کے صفحات کی تعداد ۳۲ ہے ۔ ۱۸۷۵ع میں مطبع نول کشور سے ''سکنتلا ناٹک'' کے عنوان سے طبع ہوئی ۔ اس میں جوان کا تحریر کردہ دیباچہ بھی شامل ہے اور آخر میں ''خاتمہ الطبع'' کے عنوان سے یہ عبارت لکھی گئی ہے :

> ''کتاب مشہور اور معروف ''سکنتلا ناٹک'' نام مقبول انام مصنفہ شاعر کالی‌داس ، جو بہ زمانہ راجا بکرماجیت کے تصنیف ہوئی تھی اور پھر عہد دولت فرخ سیر میں زبان سنسکرت سے زبان برج بھاکھا میں ترجمہ ہوئی اور بہ‌عہد شاہ عالم بادشاہ لارڈ مار کوئس ولزلی صاحب بہادر کی حکومت میں حسب الحکم جان گلکرسٹ صاحب بہادر منشی کاظم علی تخلص جوان نے برج بھاکھا

۱۔ ملاحظہ ہو دیباچہ جلد اول میں مندرجہ ذیل عبارت :

The editing of these volumes is the work of Tarinee Churun Mitra, Head Moonshee of the Hindoostanee Department of the College Fort William.

سے زبان ریختہ میں ترجمہ کیا تھا ۔ قدر دانوں کی خواهش اور شائقین کی استدعا سے مطبع نامی گرامی منشی نول کشور مقام لکھنؤ میں بماہ فروری ۱۸۷۵ عسیوی مطابق ماگھ ۱۲۳۱ سمت حلیہ طبع سے آراستہ ہوئی!۔''

۱۔ ''سکنتلا ناٹک'' مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۵ء صفحہ ۳۱ ۔ مولوی سید محمد کا بیان ہے کہ اس سن میں مطبع نول کشور سے یہ پہلی بار اشاعت پذیر ہوئی ۔ لیکن اس نسخے میں اس بات کا ذکر نہیں ۔ نول کشور کی مطبوعہ کتابوں کی ایک فہرست (جن کی نوعیت اسٹاک رجسٹر کی سی ہے) پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس کے شروع اور آخر کے صفحات شامل نہیں ۔ اس جلد میں صفحات کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہرست دو حصوں میں ہے لیکن ان کے درمیان کوئی وضاحتی ورق نہیں ۔ اس فہرست کے دوسرے حصے کے صفحہ چار و پانچ پر ''سکنتلا'' کے پانچ نسخوں کا ذکر ہے جو ناگری رسم الخط میں طبع ہوئے ۔ مطبوعہ نسخوں کے سائز اور زبان کے علاوہ کوئی معلومات درج نہیں ۔

''سکنتلا'' کے مطبوعہ نسخوں کے سلسلے میں گارسین دی تاسی کا مندرجہ ذیل بیان بھی قابل ذکر ہے ۔ ملاحظہ ہو ''خطبات'' (پانچواں خطبہ بہ تاریخ ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء) مترجمہ و شائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۵۲ - ''شکنتلا کا درد ناک قصہ جو نہ صرف ''شکنتلا ناٹک'' کی پیروی میں بلکہ مہابھارت کے بیان کے مطابق بھی ہندوستانی زبان میں تالیف کیا ہے ۔ میں نے اس قصے کو ہندی سے ترجمہ کیا ہے (اورینٹل ریویو ۱۸۵۲ء) جہاں تک مجھے معلوم ہے ، اس پر ہندوستانی میں چار مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ ایک نواز کی جسے سلطان فرخ سیر نے کبیشور (ملک الشعراء) کا خطاب عطا فرمایا تھا (دیکھو میری ''تاریخ ادبیات'' جلد اول صفحہ ۲۰۹) دوسری جوان (کاظم علی) کی جس کا نام ''سکنتلا ناٹک'' ہے جو کلکتہ میں ۱۸۰۱ء میں چھپی ۔ ڈاکٹر گل کرسٹ نے جو طریقہ رومن حروف میں لکھنے کا اختراع کیا تھا، یہ

(بقیہ اگلے صفحے پر)

زیر نظر اشاعت کی ترتیب و تدوین میں ۱۸۲۷ء کے فورٹ ولیم کالج کے انتخاب (جلد دوم) اور مذکورہ بالا نول کشور کے نسخے سے مدد لی گئی ہے - چوں کہ فورٹ ولیم کالج کا مذکورہ انتخاب نول کشور کے نسخے سے زیادہ قدیم ہے اس لیے اس پر زیادہ انحصار کیا گیا ہے - ان دونوں نسخوں میں مرجح عبارتوں کو متن میں جگہ دی گئی ہے اور اختلاف حاشیے میں ظاہر کردیا گیا ہے - یہ اختلاف انھیں نسخوں میں نہیں بلکہ دوسرے نسخوں میں بھی موجود ہے - مولوی سید محمد نے ''ارباب نثر اردو'' میں جو اقتباسات شامل کیے ہیں وہ بمبئی کی ۱۸۴۸ء کی اشاعت سے ماخوذ ہیں - یہ نسخہ انھیں مولوی ابو محمد بلگرامی کے کتب خانے ''سید علی حسن میموریل لائبریری'' سے دستیاب ہوا تھا - ''ارباب نثر اردو'' میں منقولہ اقتباسات کا اگر زیر نظر نسخے سے مقابلہ کیا جائے تو ان میں بہت حد تک اختلاف ملتا ہے - ان عبارتوں میں الفاظ کا رد و بدل تو اکثر دیکھنے میں آتا ہے ۔ اس کے علاوہ بعض مقامات پر نمایاں فرق ہے - مثال کے طور پر کہانی کے آغاز کے بعد جو شعر ''ارباب نثر اردو'' میں نقل ہوا ہے اس کا

(گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

کتاب انھیں حروف میں طبع ہوئی ہے - تیسری غلام احمد کی جس کا نام ''فراموش یاد'' ہے - یہ کلکتہ میں ۱۸۴۹ء میں چھپی - اس کا خلاصہ ایشاٹک جرنل (۱۸۵۰ء) میں دیا گیا - چوتھی ایک پارسی مصنف (بومن جی دوساب جی) کی -''

مولوی سید محمد نے لکھا ہے کہ اس کہانی کو سید محمد نقی نے ''رشک گلزار'' اور منشی اقبال ورما سحر نے ''مثنوی سحر'' کے نام سے نظم کیا ہے - یہ دونوں مثنوی ''گلزار نسیم'' کے تتبع میں لکھی گئی ہیں اور ان میں ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے -

پہلا مصرع اس طرح ہے :

''بدن سوکھ کر اس کا کانٹا ہوا تھا''

لیکن زیر نظر نسخے میں یہ مصرع اس طرح ہے :

''بدن پھول سا سوکھ کانٹا ہوا تھا''

مزید برآں ''ارباب نثراردو'' کے اقتباس میں یہ جملہ حذف ہے:

''باتیں کتنی ایسی ہی کر کے ، بین کاندھے پر دھر وہاں سے اٹھی ، بیٹھ اپنے تخت پر ھوائے آسمان سے زمین پر اتری ۔''

ایک بات قابل غور ہے کہ کاظم علی جوان کو ''سکنتلا ناٹک'' کے ترجمے کے لیے کہا گیا تھا لیکن انھوں نے اس کہانی کی بنیاد کالی داس کے سنسکرت ڈرامے ''سکنتلا'' کے بجائے نواز کبیشر کی ''سکنتلا'' کی منظوم کہانی پر رکھی ہے ۔ خود نواز کو بھی یہی حکم ہوا تھا کہ ''سکنتلا ناٹک جو سنسکرت میں ہے، برج کی بولی میں کہہ ۔'' کالی داس کے ڈرامے میں نظم و نثر کا حصہ تقریباً نصف نصف ہے ؛ چنانچہ نواز نے اس کا ترجمہ نثر میں ڈرامے کی صورت میں کرنے کے بجائے اس کی کہانی کو برج کی بولی میں کبت اور دوہروں میں نظم کر دیا ۔ جوان کے پاس نواز کا منظوم نسخہ موجود تھا جس سے انھوں نے اس کہانی کو اردو نثر میں پیش کیا ہے اور یہ معذرت چاہی ہے کہ ''کبت اور دوہرے کا ترجمہ جیسے چاہیے، ویسا زبان ریختہ میں کب ہوسکتا ہے ۔ اس کے اور اس کے مضمون کی بندش کا فرق کھلا ہوا ہے '' اور پھر فرماتے ہیں کہ ''نظم کا ترجمہ نثر میں طبیعت کو منتشر کرتا ہے''

چوں کہ نواز کی ''سکنتلا'' کاظم علی جوان کی نظر سے گزری ہے اس لیے اس کے متعلق جوان کے بیانات بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔ ان کے بیانات کے پیش نظر یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں :

۱- نواز نے فرخ سیر کے عہد میں مولٰی خان فدائی خان کے بیٹے کے[۱] ایما سے ''سکنتلا'' کہانی کہی -

۲- یہ کالی داس کے سنسکرت ڈرامے کا ڈرامے کی صورت ترجمہ نہیں ہے -

۳- اس میں ''سکنتلا'' کی کہانی کو کبت اور دوہروں میں نظم کیا گیا ہے -

۴- نواز کی منظوم کہانی برج کی بولی میں لکھی گئی ہے -

۵- جوان کی زیر نظر کہانی اور کالی داس کے ڈرامے میں بہت اختلاف ہے جس کی وضاحت آیندہ صفحات میں کی گئی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ نواز کی ''سکنتلا'' بھی کالی داس کے ڈرامے سے مختلف ہوگی -

اس سلسلے میں سید مسعود حسن رضوی ادیب کا مضمون ''نواز اور شکنتلا ناٹک''[۲] بہت مفید معلومات کا حامل ہے - اس میں واضح کیا گیا ہے کہ نواز برج بھاشا کا شاعر تھا اور نواج تخلص کرتا تھا - نواج کی ''سکنتلا'' (بہ سین مہملہ) ناٹک نہیں ہے بلکہ ایک منظوم قصہ ہے - خود نواز نے اسے ناٹک نہیں لکھا بلکہ کتھا یعنی قصہ کہا ہے - یہ چار حصوں میں تقسیم ہے - نواج کی ''سکنتلا'' کالی داس کی ''شکنتلا ناٹک'' کا ترجمہ نہیں ہے - ''شکنتلا'' کی کہانی مہابھارت ، پدم پران ، بھاگوت اور

۱- سید مسعود حسن رضوی ادیب نے اس کا نام محمد صالح خان تحریر کیا ہے جسے اعظم خان کا خطاب ملا تھا - ملاحظہ ہو ان کا مضمون ''نواز اور شکنتلا ناٹک'' نقوش ، جون ۱۹۶۳ع -

۲- نقوش جون ۱۹۶۳ع -

سربھاوت نام کی سنسکرت کتابوں میں تفصیلات کے اختلاف کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

یہاں اس بات کا اظہار کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ مولوی سید محمد نے ''ارباب نثر اردو'' کے بیانات میں نواز کی ''شکنتلا'' اور جوان کی زیر نظر تالیف کا اس انداز سے ذکر کیا ہے جس سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱- ''ان کی پہلی کتاب ''سکنتلا ناٹک'' ہے[۱]۔''

۲- ''ہندی کے مشہور ڈراما ''شکنتلا'' کو اسی نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔''[۲]

۳- ''نواز کبیسور کے ہندی ترجمے سے اپنا اردو ترجمہ مرتب کیا۔''[۳]

۴- ''کاظم علی جوان کو اس خصوص میں دوسرے ڈراما نویسوں پر ایک قسم کا تقدم حاصل ہے۔ انھوں نے اس کے ذریعے اردو کو پہلی مرتبہ ڈرامے سے روشناس کرایا''[۴]

ہمیں معلوم ہے کہ یہ کتاب ''ناٹک'' نہیں ہے۔ جس کتاب سے اس کہانی کو اردو میں ڈھالا گیا ہے وہ بھی ڈراما نہیں۔ نہ نواز کی ''سکنتلا'' ڈرامے کی صورت میں تھی اور نہ جوان کی ''سکنتلا'' ڈرامے کے انداز میں ہے۔ مولوی سید محمد نے جوان کے سر ڈراما نویسی میں اولیت کا سہرا یونہی باندھ دیا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی ترجمہ نہیں کہہ سکتے بلکہ نواز اور جوان نے ایک ہی کہانی کو اپنے اپنے طور پر نظم اور نثر کا جامہ پہنایا ہے۔

۱- ''ارباب نثر اردو'' - سید محمد، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۵۰ع، صفحہ ۱۹۸-
۲- ایضاً صفحہ ۱۹۸ - ۳- ایضاً صفحہ ۱۹۹ - ۴- ایضاً صفحہ ۲۰۰ -

کچھ کتاب کے بارے میں

''سکنتلا'' کی کہانی پہلے پہل برصغیر پاکستان و ہند کی قدیم و عظیم الشان داستان ''مہابھارت'' میں بیان کی گئی تھی۔ اس میں اس کہانی کا خاکہ اس طرح پیش ہوا ہے :

راجا دشنیت شکار کھیلتے ہوئے ایک تپ بن میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں وہ پہلی نظر میں سکنتلا پر فریفتہ ہوجاتا ہے۔ سکنتلا بھی اس کی محبت میں اسیر ہوجاتی ہے۔ راجا اسے گاندھرو ریت کے مطابق شادی کرنے کے لیے کہتا ہے۔ سکنتلا پہلے تو جھجکتی ہے بالآخر اس کی باتوں میں آکر رضامند ہوجاتی ہے۔ بیاہ کے بعد راجا اپنی راج دھانی کو لوٹ جاتا ہے اور برسوں تک سکنتلا کی خبر نہیں لیتا۔ اس اثنا میں سکنتلا کے یہاں اس سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ سکنتلا دو سادھوؤں اور اپنے بیٹے کو لیے راجا کے دربار میں پہنچتی ہے۔ راجا جان بوجھ کر پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور اسے برا بھلا کہتا ہے۔ سادھو سکنتلا کو وہیں چھوڑ کر خود واپس آجاتے ہیں۔ سکنتلا کس مپرسی اور بے بسی کے عالم میں وہاں رہ جاتی ہے۔ اتنے میں ایک آکاش بانی سنائی دیتی ہے کہ اے دشنیت! تو نے جو مشعل جلائی تھی، اس کی آگ کو پہچان،

جو بیج بویا تھا اس کے ثمر کو جان ۔ یہ سن کر
راجا کو ہوش آتا ہے ۔ وہ بڑے حیلے حوالے کرتا ہے ،
بالآخر سکنتلا کو مہا رانی اور بچے کو اپنا وارث
بنا لیتا ہے ۔

مہا کوی کالی داس نے اس سیدھی سادی کہانی میں قدرے تبدیلی کر کے اپنے ڈرامے ''شکنتلا'' کا موضوع بنایا ۔ مہابھارت کی کہانی میں راجا دشنیت ایک عیش پسند راجا معلوم ہوتا ہے جو ایک بھولی بھالی لڑکی کو اپنے دام ہوس میں پھنسا کر اس سے شادی کر لیتا ہے اور پھر اسے پہچاننے اور اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیتا ہے ۔ کالی داس نے اس کہانی میں بنیادی تبدیلی یہ کی ہے کہ راجے کی بھول کو ایک بگڑے دل سادھو درواسا کی بددعا پر محمول کیا ہے ۔ ایک دفعہ درواسا آشرم میں سکنتلا کے پاس آتا ہے ۔ سکنتلا اپنے محبوب کے دھیان میں اس قدر مگن ہوتی ہے کہ اسے کسی کے آنے اور صدا دینے کی خبر تک نہیں ہوتی ۔ سادھو بگڑ کر وہاں سے چل دیتا ہے اور یہ بد دعا دیتا ہے کہ جس کے خیال میں تو ایسی ڈوبی ہے کہ کسی کی سدھ نہیں ، وہ بھی تجھے ایسا بھول جائے کہ یاد دلانے پر بھی نہ پہچانے ۔ سکنتلا کی سکھی پریم ودا جب یہ سنتی ہے تو سادھو کے پیچھے بھاگتی ہے اور اسے راضی کرنا چاہتی ہے ۔ پریم ودا کی منت سماجت سے وہ اس قدر کہتا ہے کہ نشانی کی انگوٹھی دیکھنے کے بعد بد دعا کا اثر جاتا رہے گا ۔ کالی داس نے اس واقعے اور انگوٹھی کے گم ہونے کے قصے کو شامل کر کے کہانی میں جان ڈال دی ہے اور راجا کے کردار کو یکسر بدل دیا ہے ۔ مہابھارت کی کہانی اور کالی داس کی کہانی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اصل کہانی میں سکنتلا بچے کی ولادت کے بعد راجا کے دربار میں پہنچتی

ہے اور بچے کو ساتھ لے کر جاتی ہے لیکن کالی داس کے یہاں بچے کی ولادت بعد میں ہیم کوٹ کے پہاڑ پر کشیپ رشی کے آشرم میں ہوتی ہے - کالی داس نے ڈرامے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مناظر کی پیش کش میں اور بھی اضافے کیے ہیں جن کی اصل منظوم کہانی میں گنجائش نہ تھی -

جس طرح مہابھارت اور کالی داس کی کہانیوں میں فرق نظر آتا ہے ، اسی طرح کاظم علی جوان اور کالی داس کی پیش کردہ کہانیوں میں بھی فرق ہے - جوان نے یہ کہانی نواز کبیشر کی منظوم داستان سے اخذ یا ترجمہ کی ہے - اگر ہم جوان کے اس ترجمے اور کالی داس کے سنسکرت ڈرامے سے اختر حسین رائے پوری کے ترجمے کا مقابلہ کریں تو کئی ایک جگہوں پر واقعات اور پلاٹ کی ترتیب میں اختلاف نمایاں ہوتا ہے - ہم یہاں صرف چند نمایاں پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہو کہ ڈرامے نے اس کہانی میں کیا روپ اختیار کر لیا ہے -

اولاً ان دونوں تراجم کے افراد قصہ کے ناموں میں فرق ہے - اختر حسین کے ڈرامے میں وشوامتر ، سکنتلا ، دشنیت ، کنو ، درواسا ، چترکا اور مانلی کے نام جوان کی کہانی میں اس طرح بیان ہوئے ہیں : وسوامتر ، سکنتلا ، دشمنت ، کن ، درباسا ، چتری اور ماتل - ان میں بعض ناموں کا اختلاف تو شاید سنسکرت اور برج کی بولی کے لب و لہجے اور نقل لفظی (Transliteration) کی وجہ سے ہو لیکن دشنیت کا نام دشمنت لکھنا حیران کن ہے - دشنیت کو اگر دشمنت کے بجائے دشمیت لکھا جاتا تو کوئی ایسی بات نہ تھی - میم کا نون سے بدل جانا قرین قیاس ہے - خود سنسکرت کا لفظ ازمنۂ قدیم میں در اصل سمسکرت تھا - مرور زمانہ کے ساتھ میم نون سے بدل گئی اور آج ہم سنسکرت کہتے ہیں -

ڈرامے کے بہت سے افراد ایسے ہیں جن کا ذکر جوان کی کہانی میں نہیں لیکن ایک نام ایسا بھی ہے جو کہانی میں مذکور ہے لیکن ڈرامے میں موجود نہیں۔ جب سکنتلا راجا کے دربار میں تنہا رہ جاتی ہے تو راجا اپنے ایک پجاری سے مشورہ کرتا ہے اور سکنتلا کو اس کے پاس ٹھہرانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جوان نے اس کا نام سوم راج بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۵۸)۔

دوسرا اہم فرق کہانی کے واقعات اور پلاٹ کی ترتیب میں ہے۔ سنسکرت ڈرامے کے قدیم رواج کے مطابق اصل ڈرامہ ناندی یعنی حمد سے شروع ہوتا ہے۔ پھر سوتر دھار (ہدایت کار) کی تمہید کے بعد پہلا انک (ایکٹ) شروع ہوتا ہے۔ اس میں راجا کو شکار کے دوران میں ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ پہلے راجا اور رتھ بان کا مکالمہ پیش ہوتا ہے۔ پھر راجا آشرم میں پہنچتا ہے۔ سکنتلا اور اس کی سکھیوں سے ملتا ہے۔ راجا سکنتلا کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ کاظم علی جوان نے کہانی کے آغاز میں وشوامتر کی ریاضت، راجا اندر کا خوف، منیکا پری کی اس کے پاس آمد، سکنتلا کی پیدائش، کنو رشی کے پاس تب بن میں پہنچنے اور رشی کی بہن گوتمی کے ہاتھوں پرورش پانے کا تفصیلی قصہ بیان کیا ہے۔ اس کے متعلق اصل ڈرامے میں محض چند اشارات ملتے ہیں۔

ڈرامے میں دوسرا ایکٹ جنگل میں راجا کے ڈیرے سے متعلق ہے جہاں راجا باتوں ہی باتوں میں اپنے یار غار مادھو سے سکنتلا اور اپنی محبت کا ذکر کرتا ہے۔ یہ حصہ جوان کی کہانی میں شامل نہیں۔

چھٹے ایکٹ کے واقعات کو بھی جوان نے شامل نہیں کیا اور صرف مرکزی کردار یعنی سکنتلا کی جدائی میں راجا کے حال زار

کی داستان سرائی کی ہے - ڈرامے میں یہ ایکٹ بہت دل چسپ ہے - اس ایکٹ میں تمہیدی منظر کے بعد سانومتی نامی اپسرا آتی ہے - اسے مینکا پری نے راجا کا حال دیکھنے کے لیے بھیجا ہے - سانومتی جادو کی چادر اوڑھ کر راجا کے محل کے باغ میں آتی ہے اور یہاں کی غربت سے آگاہ ہوتی ہے - راجا نے اپنی بے خواب راتوں میں سکنتلا کی ایک تصویر بنائی ہے جو سکنتلا کا ہو بہو نقشہ پیش کرتی ہے - سانومتی بھی اسے دیکھ کر اصل اور اس میں فرق نہیں کر سکتی - راجا تصویر میں سکنتلا کے درس نہ سکنے پر پچھتاتا ہے اور فرقت کے دکھ سے آنسو بہاتا ہے -

تیسرا فرق ڈرامے اور کہانی کے انداز بیان میں ملتا ہے - ڈرامے اور کہانی میں جو مواقع بالکل مماثلت رکھتے ہیں، وہاں دونوں میں سیرت کے رنگ اور جذبات کے آہنگ کے اظہار میں نمایاں اختلاف رونما ہوتا ہے - مثال کے طور پر جب راجا پہلی بار سکنتلا کو دیکھتا ہے اور پھر سکنتلا اور اس کی سکھیوں سے بات چیت کرتا ہے، ان موقعوں کا جداگانہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے جس سے جذباتی سطح کے مختلف مدارج کی عکاسی ہوتی ہے - اسی طرح جب سکنتلا راجا کے نام خط تحریر کرتی ہے تو ان خطوں میں اظہار محبت کے اسلوب نے جذبات کی کیفیت میں تبدیلی پیدا کر دی ہے - اس کی نمایاں مثال اس وقت آتی ہے جب سکنتلا راجا کے دربار میں پہنچتی ہے اور راجا نہ صرف اسے پہچاننے اور اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیتا ہے بلکہ اس پر بدچلنی کی تہمت بھی لگاتا ہے - مہابھارت میں یہ منظر بہت عمدگی سے پیش کیا گیا ہے :

"یہ سن کر وہ ندامت سے زمین والی شرم کے مارے

بےحس لکڑی کی کھڑی رہ گئی - گویا یہ بےچاری

درخت کی ایک سوکھی ساکھی ٹہنی تنی جیسے پالا مار گیا ہو ۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جلتی ہوئی چتونیں راجا کو ابھی جلا کر خاک سیاہ کر دیں گی ۔ تمتمائے ہوئے چہرے اور چور نگاہوں سے راجا کو دیکھتی ہوئی وہ خشک ہونٹوں والی بولی کہ مہاراج ! تم بڑے آدمی ہو ، یہ اوچھا بول تمھیں کب زیب دیتا ہے ۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا کہو تو دودھ کیا ہے اور پانی کیا ہے ۔ کسی کی پیچ نہ کر کے بتاؤ تو سہی کہ حقیقت کیا ہے ۔ اپنے ضمیر کی آواز کو یوں نہ ٹھکراؤ ۔ جو اپنے ضمیر کی اصل شکل کو مسخ کرتا ہے وہ سب سے بڑا مجرم ہے ۔ اپنی خودی کے چور سے بڑا چور اور کون ہو سکتا ہے ۔ تم سوچتے ہو گے کہ میرے من کی بات کو کون جانتا ہے ؟ یوں نہ سمجھو ، کیوں کہ من کے مندر میں ایک بڑا دیوتا رہتا ہے اور وہ ہر نیکی و بدی کا حساب رکھتا ہے ۔ اس کے دیکھتے سنتے تم اتنی بڑی تہمت تراش رہے ہو ۔ ہر بدکار اس خام خیالی میں مبتلا رہتا ہے کہ میرے کیے کی کسی کو خبر نہیں ۔ آسمان پر رہنے والا خدا اور دل میں رہنے والا انسان یہ دونوں اسے خوب پہچانتے ہیں ۔ سورج اور چاند ، مٹی اور پانی ، ہوا اور آگ ، دن اور رات ، صبح اور شام ، یہ سب انسان کی زندگی کے گواہ ہیں ۔ یم (موت کا دیوتا) اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو نادم اور تائب ہے لیکن جس کی فطرت بد ہوتی ہے یم اس کے

لیے بجلی کا کوڑا تیار رکھتا ہے ۔ جو اپنے ضمیر کو حقیر سمجھتا ہے اور اس کی ہدایت کے خلاف عمل کرتا ہے ، دیوتا کا رحم و کرم اس کے لیے نہیں ۔"

کالی داس نے یہ منظر اس طرح پیش کیا ہے کہ جب سکنتلا کے ساتھ کے دونوں سادھو (شارنگرو اور شاردوت) اور گوتمی سب کچھ کہہ سن چکتے ہیں تو گوتمی سکنتلا کا گھونگھٹ اٹھا کر اس کی شکل راجا کو دکھاتی ہے کہ شکل دیکھ کر راجا کو بھولی بسری یاد آ جائے لیکن راجا صورت دیکھ کر بھی نہیں مانتا ۔ آخر ایک سادھو یوں کہتا ہے :

شاردوت : سکنتلا ہمیں جو کہنا تھا کہہ چکے ، راجا کا جواب بھی تم نے سن لیا ، اب تم خود اس پر اپنی سچائی ثابت کرو ۔

سکنتلا : (خود سے) ۔ ارے ! اس محبت کی یاد دلانے سے کیا حاصل جس کا انجام یہ ہونا تھا ۔ مگر اپنے کو رسوائی سے بچانے کے لیے کچھ کہنا ہی پڑے گا - - - - - - - (بہ آواز) ــــ میرے سوامی ! ــــ (کہتے کہتے رک کر) جب شادی ہی سے انکار ہے تو یوں پکارنا ٹھیک نہیں ۔ راجا صاحب ! آشرم میں جھوٹے وعدے وعید کر کے جس بھولی بھالی کو آپ ایک بار دھوکا دے چکے ہیں ، اسے اس بے دردی سے ٹھکرانے کا عیاؤ آپ نہ کریں گے تو کون کرے گا ؟

(آخر غصے کے مارے تھرتھراتی ہوئی کہتی ہے) ۔

کمینے کہیں کے ! ساری دنیا کو تو نے اپنے جیسا سمجھا ہے ؟ کیا جانتی تھی کہ دھرم کے بھیس کے نیچے چھل ، کپٹ گھاس پھوس کے ڈھکے ہوئے اندھے کنویں

کی طرح چھپا ہوا ہے --- پھر بھلا کون تیرا بھید
پا سکتا ہے۔

جوان کی کہانی میں سکنتلا کا جواب ملاحظہ ہو :

''ارے بے انصاف ! تو کیا کہتا ہے۔ تو نے مجھ سے کی ٹھگی، تب میں نے تجھے ٹھگ نہ جانا، جو تو نے کہا سو میں نے مانا۔'' یہ کہہ کر سر نیچے کر لیا، آنکھوں سے جھڑی لگ گئی، پل مارتے ہی اس نے ندی بہائی۔''

غرضیکہ جہاں ڈرامے اور کہانی کے واقعات، حالات کی ترتیب، مناظر کی پیش کش اور صورت حال کے انداز بیان میں فرق رونما ہوا ہے وہاں ان کے پیش کردہ افراد کی سیرتوں میں بھی بیش و کم تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر ڈرامے کے راجا کے کردار کو دیکھیے۔ یہ راجا مذہب پسند ہے، وہ سادھوؤں کا احترام کرتا ہے، اسے ان کی بات کا پاس ہے۔ آشرم اس کے لیے پاکیزہ اور مقدس جگہ ہے، جسے ایک نظر دیکھنے ہی سے انسان کے پاپ دھلتے ہیں۔ جیسا کہ وہ آشرم کے پاس پہنچ کر رتھ بان سے کہتا ہے --- ''اس مقدس آشرم کو ایک نظر دیکھ کر ہم اپنے پاپ دھو لیں۔'' وہ رتھ کو وہیں روک کر اتر جاتا ہے تاکہ ''کہیں آشرم والوں کا کچھ ہرج نہ ہو'' ۔ وہ آشرم میں جاتے ہوئے اپنے جواہرات اور تیر کمان وہیں چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ''آشرم میں قدم رکھتے وقت تن پر سادہ لباس ہونا چاہیے۔'' تپ بن کی حفاظت اس کا مذہبی فریضہ ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ ''پروہ کا ایک نام لیوا ناہنجاروں کا بیری دنیا پر راج کرتا ہے۔'' جب اس کے بچھڑے ہوئے ساتھی اس کی تلاش میں وہاں پہنچتے ہیں اور آشرم میں دہائی مچ جاتی ہے تو وہ

چونک اٹھتا ہے - ''لوگ میری تلاش میں تپ بن کو سراسیمہ کیے دے رہے ہیں - اب مجھے فوراً واپس جانا چاہیے : - - - - میں جا کر دیکھتا ہوں کہ تپ بن میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔ جب راکشس سادھوؤں کے ہون میں حائل ہوتے ہیں تو وہ کمزور سادھوؤں کی حفاظت کا بیڑا اٹھاتا ہے -

راجا کی سیرت کا یہ پہلو جوان کی کہانی کے راجا میں نہیں : چنانچہ اس کی سیرت ادھوری اور یک رخی ہو کر رہ گئی ہے -

تپ بن میں راجا جب پہلی نظر سکنتلا کو دیکھتا ہے تو اس کے حسن خدا داد کی داد دیتا ہے ''کیا بانکا روپ پایا ہے''۔ لیکن اس کی تعریف توصیف ، اس کے ناز و زیبائی کی تحسین و آفرین میں زمین آسمان کے قلابے نہیں ملاتا - وہ پہلی ہی نظر میں سکنتلا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے لیکن صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا - پہلی ملاقات میں سکنتلا جب جانے لگتی ہے تو تہذیبی آداب و اقدار کی بدولت وہ اس کا دامن پکڑتے پکڑتے رہ جاتا ہے اور دل ہی دل میں کہتا ہے ''اس رشی کماری کو میں روکنا چاہتا تھا کہ ادب نے میرے ہاتھ تھام لیے'' - راجا اپنے یار مادھو کو راز محبت سے آگاہ کرتا ہے لیکن آخر میں اپنے منصب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ احتیاطیں اس سے یہ کہلواتی ہیں کہ ''کہیں دل کی لگی کو سچ نہ سمجھ بیٹھنا'' جب پریم پتر لکھنے پر سکنتلا کی محبت کا راز راجا پر افشا ہو جاتا ہے اور وہ محبت کا جواب دینے کے لیے خود سامنے آ جاتا ہے تو انتہائی ضبط اور رکھ رکھاؤ سے کام لیتا ہے - اس کے جذبات اسے بےقابو اور بے باک نہیں کرتے - یہاں محبت کی باتیں اور پیار کی گھاتیں ہوتی ہیں لیکن محبت کے مقدس جذبے اور اپنے مرتبے کا احترام ملحوظ رہتا ہے -

اس کے بر عکس جوان کی کہانی کا راجا ہماری داستانوں کے روایتی ہیرو جیسے خصائل کا مالک نظر آتا ہے ۔ یہاں جب راجا نے سکنتلا کو پہلی بار دیکھا تو ''وہ اس کا ایسا محو دیدار ہوا کہ بے خود ہو کر خاک پر گرا اور اپنے تن و بدن کی کچھ خبر نہ رہی ۔'' وہ ''جان و دل سے اس پر فریفتہ ہوا ، ہوش و حواس سب گم ہو گئے'' ۔ غرض کہ ''ان داموں کے غلام ہوا اور تیغ عشق سے کام تمام ہوا ۔ کبھی مجنوں کی مانند اس لیلیٰ منش کا شیفتہ تھا اور کبھی فرہاد سا اس شیریں ادا کا فریفتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب کبھی ہوش میں آتا ۔ ۔ ۔ دید اس کے حسن کی کرتا تھا ، سرد آہیں حسرتوں سے بھرتا تھا ۔'' راجا کے اس احوال سے سطحی اور عامیانہ نوع کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے ۔ ڈرامے کا راجا جب بھونرے کو سکنتلا کے گرد منڈلاتے دیکھتا ہے اور سکنتلا اس کو رہائی کے لیے دہائی دیتی ہے تو راجا اپنے ہی آپ میں بڑے لطیف جذبات کا اظہار کرتا ہے اور بھونرے کو ٹالنے کے لیے سامنے آ کر بڑے شکوہ اور تمکنت سے اظہار خیال کرتا ہے ۔ یہاں راجا کی باتوں میں ایک وقار اور شان ہے ۔ لیکن کہانی کا راجا بھونرے کو ہوس ناک نظروں سے دیکھتا ہے اور رشک و رقابت میں جلا جاتا ہے ۔ راجا کی محبت کا عامیانہ انداز ہماری داستانوں کا خاصہ رہا ہے ۔ محبوب کو دیکھتے ہی غش کر جانا ، ہوش و حواس جاتے رہنا ، دم بہ دم آہیں بھرنا ، لمحہ بہ لمحہ آہ فریاد کرنا ، دل میں آتش عشق کا الاؤ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جانا ، محبوب کے فراق میں بھوک پیاس جاتی رہنا ، رقیبوں سے جلنا ، ایسی مثالیں ہمارے داستانوی ادب میں عام ملتی ہیں ۔

ضبط و بردباری ڈرامے کے راجا کی بڑی خصوصیت ہے ۔ جب تپسوں

کے سادھوؤں کی تپسیا میں راکشس خلل انداز ہوتے ہیں تو وہ تپ بن کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ محبت کے انتہائی درد و کرب میں بھی جب وہ کنج تنہائی میں ہوتا ہے تو راج کاج سے دست بردار نہیں ہوتا۔ اسے وہاں دیوان جی کا پرچہ پہنچتا ہے کہ دھن مِتر نامی بیوپاری سمندر میں ڈوب کر لاولد مر گیا ہے اور قانون کی رو سے اس کا دھن مال بحق حکومت ضبط ہونا چاہیے۔ تو وہ دیوان کو لکھ بھیجتا ہے کہ اس کی بیوی اجودھیا جو ابھی چھٹی سے رہی ہے۔ اس کا ہونے والا بچہ اس کا وارث ہوگا۔ وہ اپنے نگر میں ڈھنڈورا پٹوا دیتا ہے کہ "پرجا میں پاپیوں کے سوا جس کسی کو کوئی بندہ کا محبوب ہو وہ دشینت کو اس کی جگہ سمجھے"۔ راجا کے یہ خصائل جوان کی "سکنتلا" میں نہیں ہیں۔ اس کی کہانی میں راجا کو شروع سے آخر تک محبت میں دیوانہ اور "سکنتلا" کے حسن کا فریفتہ دکھایا گیا ہے۔ اس کے سوا اس کی سیرت کا کوئی اور پہلو اجاگر نہیں ہوتا۔

اس کہانی میں راجا کے کردار کے علاوہ "سکنتلا" کا کردار بھی کسی قدر بدلا ہوا ہے، لیکن یہاں سیرت کا فرق راجا کی نسبت کم ہے؛ تاہم کہانی کی سکنتلا اس بلندی کو نہیں پہنچتی جہاں ڈرامے کی "سکنتلا" نظر آتی ہے اور مہابھارت کی "سکنتلا" تو اس سے بھی بلند و برتر ہے۔ اس کی کسی قدر جھلک مذکورہ بالا اقتباسات میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں "سکنتلا" راجا کے دربار میں راجا سے مخاطب ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل میں جانا طوالت کا باعث ہے۔

جوان کی کہانی میں ان تمام اختلافات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جوان کے سامنے اصل سنسکرت ڈرامے کے بجائے نواز

کی برج کی بولی میں ''سکنتلا'' کی کہانی تھی ۔ اگر جوان نے نواز کی کہانی کو ھو بہو پیش کیا ھے اور اس میں اپنی طرف سے ترک و اضافہ سے کام نہیں لیا تو اس سے واضح ھوتا ھے کہ خود نواز نے بھی کالی‌داس کے سنسکرت ڈرامے کے واقعات ، ان کی تفصیلات ، پلاٹ کی ترتیب ، صورت حال کے اظہار اور کرداروں کی پیش کش میں کالی داس کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنے طور پر اس کی کہانی کو پیش کر دیا ھے ۔

کاظم علی جوان کی زیر نظر کہانی کی زبان اور اسلوب بیان بھی توجہ کا طالب ھے جو اپنے عہد کی زندہ و تابندہ یادگار ھے ۔ فورٹ ولیم کالج میں یورپی ملازمین کو اس سرزمین کی عوامی زبان کی تدریس اور یہاں کے رسم و رواج ، طور طریقوں ، بود و باش کے انداز ، قدیم و جدید روایات اور ادبیات سے آگاہ کرنے کے لیے سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا تھا ۔ تاریخ و تمدن اور قصص و حکایات کی کتابوں کو از سر نو تصنیف و تالیف کرنے کے بجائے جو سرمایہ السنۂ شرقیہ میں موجود تھا ، اسے اردو میں منتقل کرنے کا انتظام کیا گیا ۔ تدریسی مقاصد کے پیش نظر یہ تراجم ایسی زبان میں کرائے گئے جو عام بول چال کی زبان تھی ۔ یہی وجہ ھے کہ ھر مترجم کو یہ تاکید کی جاتی تھی کہ وہ اپنی بولی ٹھولی میں ترجمہ کرے ۔ چنانچہ اس کالج کے مترجمین کا یہ شیوہ رہا ھے کہ وہ جو ترجمہ لکھتے ھیں ، عام بول چال کی زبان میں لکھتے ھیں ۔ کاظم علی جوان کو بھی یہی کہا گیا تھا کہ ''سکنتلا ناٹک کا ترجمہ اپنی زبان کے موافق کرو۔'' یہی وجہ ھے کہ اس کہانی میں بات‌چیت کا سا انداز اختیار کیا گیا ھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی خوبیاں نمایاں ھوتی ھیں ۔ اس کہانی کے پہلے چند جملے ملاحظہ ھوں :

''آغاز داستان کہ اگلے زمانے میں وسوامتر نام ایک

شخص تھا ۔ شہر کو چھوڑ کر جنگل میں رہ کرتا اور
اپنے طور کی عبادت و ریاضت دن رات کیا کرتا ۔ اپنے
صاحب کی بندگی میں تن بدن کی کچھ اسے خبر نہ تھی ۔
سوا اسی کے تصور کے کبھی نگاہ ادھر آدھر نہ تھی۔"

یہ بات محل نظر ہے کہ جوان نے اسے داستان قرار دیا ہے ۔ اگر افسانوی ادب کی مختلف اصناف کے فنی تقاضوں اور ان کی حد بندیوں کو ملحوظ رکھیں تو کہنا پڑتا ہے کہ جوان کی "سکنتلا" داستان نہیں ، محض ایک کہانی ہے ۔ فنی اعتبار سے بہ‌قول کلیم الدین احمد "داستان کہانی کی طویل ، پیچیدہ ، بھاری بھرکم صورت ہے ۔" داستان کی روایات میں یہ بات شامل ہے کہ اس میں ایک خیالی دنیا تخلیق کی جاتی ہے ، اس میں خیالی زندگی یا خواب کی سی زندگی پیش ہوتی ہے ، اس میں زمان و مکان کے تعینات باقی نہیں رہتے ۔ داستان میں ایک دوسری دنیا اور انوکھی زندگی اپنی تمام تر نیرنگیوں ، لطافتوں ، رعنائیوں اور خوش‌نمائیوں کے ساتھ مسکراتی اور جگمگاتی نظر آتی ہے ۔ یہ آزاد ، رنگین اور چمکیلی زندگی حقیقت کی زندگی نہیں ہوتی ۔ تخیل کی آزاد جولانیوں کی پیدا کردہ نئی دنیا اور انوکھی زندگی کو حقیقت و واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ۔ اس کی بنیاد مثالیت پر ہوتی ہے ۔ حقیقت کا فقدان داستان کی نمایاں خصوصیت ہے ۔ اس کی تمام فضا اجنبی اور حیرت انگیز ہوتی ہے جو دماغ کو چونکاتی ہے اور تجسس کو بھڑکاتی ہے۔ اس میں اور ہماری انسانی دنیا کی فضا میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ داستان میں فوق‌الفطرت ہستیوں اور جادو و سحر کے کرشموں سے سابقہ پڑتا ہے ۔ اس کے انسان بھی اپنی ذات میں مکمل اور عدیم المثال ہوتے ہیں جو بڑے بڑے اور عجیب و غریب معرکے سر کرتے ہیں ۔ اردو کی سب چھوٹی بڑی داستانوں ، مثال کے طور پر

داستان ''امیرحمزہ'' ، ''طلسم ہوش ربا'' ، ''بوستان خیال'' ، ''فسانۂ عجائب'' ، ''آرائش محفل'' ، ''باغ و بہار'' ، سب میں یہ خصوصیات کہیں زیادہ کہیں کم نمایاں ہوتی ہیں ۔

یہ باتیں ''سکنتلا'' میں نہیں ہیں ۔ اس میں کسی خیالی دنیا کو پیش نہیں کیا گیا ، اس میں حقیقی زندگی جھلکتی ہے ، اس کے واقعات انسانی زندگی کے واقعات ہیں ، اس میں ہم ایسے انسان موجود ہیں ۔ اس میں سحر و طلسم نام کو بھی نہیں ۔

زبان و بیان کے اعتبار سے ہماری قدیم داستانوں کا یہ خصوصی وصف رہا ہے کہ ان کی غیر فطری فضا کی طرح ان کی زبان بھی غیر فطری ہوتی ہے ۔ اس خیالی دنیا کا بیان بھی قصد و کاوش کا نتیجہ ، اس کی زبان قوت متخیلہ کی زائیدہ اور شاعرانہ رنگ آمیزی کی پروردہ ہوتی ہے ۔ ان میں ناگوار تصنع و تکلف ، مرصع کاری ، مصنوعی رنگ آمیزی ، مبالغہ ، مضامین میں پریشان کن تکرار اور الفاظ کا ناموزوں سیلاب نظر آتا ہے ۔ مذکورہ بالا تین ضخیم داستانوں میں ''بوستان خیال'' میں نسبتاً اختصار اور اعتدال سے کام لیا گیا ہے لیکن یہاں بھی ژولیدہ بیانی کی کمی نہیں ۔ موخرالذکر کم طویل داستانوں میں ''فسانۂ عجائب'' قدیم روایتی انداز میں لکھی گئی ہے ۔ اس کی عبارت مرصع اور بہت پرتکلف ہے ۔ اس میں ہر جگہ تصنع ، بناوٹ ، بے جا طوالت اور شاعرانہ نثر کا التزام کیا گیا ہے ۔ اس میں الفاظ کی ایک فوج ہے جو قدم ملاتی ہوئی چلی آتی ہے ۔ آخری دو داستانیں ''آرایش محفل'' اور ''باغ و بہار'' بھی فورٹ ولیم کالج کی یادگار ہیں ۔ ان کی مقصدیت ایک ہے ۔ چنانچہ ان میں کم و بیش ایک سا اسلوب اختیار کیا گیا ہے ۔ ''آرایش محفل'' میں سادگی اور اختصار ہے ، رعایت لفظی کی بھر مار نہیں ، تصنع اور تکلف نہیں ، الفاظ کا ریلا نہیں : نہ چمکتے ہوئے فقرے ہیں

اور نہ رنگین تشبیہیں اور انوکھے استعارے۔ سیدھی سادی زبان ہے؛ عبارت فطری ہے لیکن اس عبارت میں کوئی حسن نہیں۔ کوئی کشش اور جاذبیت نہیں۔ تحریر کا سحر اور اثر مفقود ہے۔ اس کے مقابلے میں "باغ و بہار" کی انشا میں سادگی، صفائی، سبک پن، روانی، سلاست، وضاحت، بلاغت غرض سب کچھ ہے اور اس کے علاوہ بیان میں ایک دل کش آہنگ ہے۔ زبان بامحاورہ ہے اور اس میں ایک فطری انداز ہے۔ جملوں کی ساخت میں تناسب اور موزونیت ہے۔ یہاں بول چال کی زبان اوج کمال پر ہے۔ حسن سادہ میر امن کی نثر کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ ان کے مقابلے میں کاظم علی جوان کی انشا میں نہ فسانۂ عجائب جیسی مرصع کاری ہے، نہ حیدری کی طرح بے نمکی اور نہ میر امن کی طرح حسن سادہ۔ جوان کے انداز بیان میں ہم عصروں کی سادگی کے ساتھ انگوٹھی کی سی رنگینی بھی ہے۔ یہ کسی قدر رنگ آمیزی سے بھی کام لیتے ہیں لیکن بیان کو بوجھل نہیں ہونے دیتے۔ شاعرانہ انداز بھی اختیار کرتے ہیں لیکن سلاست کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہاں سادگی و پرکاری ہم عناں اور ہم آغوش ہیں۔ کم کم تکلفات کے ساتھ ان کے یہاں شروع سے آخر تک بات کرنے اور کہانی سنانے کا طور برقرار رہتا ہے۔

کاظم علی جوان کے اسلوب کی ان گوناگوں خصوصیات کا ہم ابھی جائزہ لیتے ہیں، لیکن اس سے قبل ان کی زبان پر توجہ مبذول کرنا ضروری ہے۔ جوان کی زبان اپنے عہد کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کی "سکنتلا" ۱۸۰۲ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جو شاعری میں میر و میرزا کا دور کہلاتا ہے۔ اس دور کے مشہور شعرا، مثلاً میر عبدالحی تاباں (۱۱۶۱-۱۱۶۵ھ) انعام اللہ یقین (۱۱۶۹ھ) اشرف علی خان فغاں (۱۱۸۶ھ) مرزا محمد رفیع

سودا (۱۱۹۵ھ) خواجہ میر درد (۱۱۹۹ھ) میر غلام حسن حسن (۱۲۰۱ھ) شیخ محمد قیام الدین قائم (۱۲۰۸ھ) سید محمد میر سوز (۱۲۱۳ھ) احسان اللہ خان بیان (۱۲۱۳ھ) رحلت فرما چکے تھے۔ میر تقی میر ابھی بہ قید حیات تھے۔ (سال وفات ۱۲۲۵ھ)۔ اس زمانے میں اردو زبان کی اصلاح کا عام چرچا رہا ہے۔ زبان کے نئے اصول مرتب ہو رہے تھے اور شعرا کے کلام میں جگہ پا رہے تھے، قدیم اصولوں کو نئے سانچوں میں ڈھالا جا رہا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان شعرا کے کلام میں قدیم و جدید اصول ہم کنار ہیں۔ یہی حال کاظم علی جوان کی زبان کا ہے۔ مضارع کے استعمال میں جوان نے ہمیشہ قدیم اصول کو پیش نظر رکھا ہے۔ مثلاً مصدر 'آنا' دراصل 'آؤنا' تھا، چنانچہ قدیم اردو میں آوے اور آویں مستعمل تھا۔ جوان نے بھی بیشتر اس اصول کی پیروی کی ہے۔ کہانی کی ابتدائی سطور ہی میں یہ جملہ ہماری نظر سے گزرتا ہے: ''سوا اٹھانے ان جفاؤں کے کچھ کام نہ تھا تا کہ اس خاکساری سے آرزو دل کی بر آوے اور درخت سے مدعا کے پھل پاوے'' چند اور سطروں کے بعد منیکا یہ کہتی ہے: ''اگر میرا سایہ برھابشن مہادیو پر پڑے، دیوانے ہو جاویں''۔ تمام کتاب میں اسی اصول کا تتبع کیا گیا ہے۔ اسی طرح فعل امر کا استعمال بھی ہر جگہ قدیم اصول کے مطابق ہے۔ ''کنو رشی جب تیرتھ کو جانے لگتا ہے تو سکنتلا کو لمبی چوڑی نصیحتیں کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ ''جو کوئی تپسوی یہاں آوے؛ ادر کر پاؤں پڑیو اور اس کی خدمت کیجیو، جہاں تک تجھ سے ہو سکے، کوتاہی مت کیجیو۔'' جمع کے صیغے میں 'وہ' کے بجائے 'وے' اور 'یہ' کے بجائے 'یے' استعمال کرتے ہیں۔ ''آپس میں وے دونوں عاشق و معشوق یے باتیں کر رہے

تھے'' اسی طرح 'تئیں' ، 'تلک' وغیرہ قدیم الفاظ کو روا رکھا ہے۔ دیگر الفاظ کے استعمال میں جوان نے اکثر جدید اصول وقواعد کی پیروی کی ہے لیکن بعض اوقات قدیم اصولوں کو بھی برتا ہے۔ قدیم اردو میں ماضی مطلق کے جمع مونث کے صیغے اس طرح لاتے تھے : وہ آئیاں ، تم آئیاں ، ہم آئیاں ۔ جوان نے بھی کہیں کہیں اس اصول کی پیروی کی ہے : ''تینوں پرورش پا کر جب بڑی ہوئیاں ، آٹھ پہر ساتھ کھیلنے لگیاں ۔'' اسی طرح ماضی قریب ، ماضی بعید اور فعل حال کے استعمال میں بعض اوقات قدیم صورت نظر سے گزرتی ہے ۔ چند جملے ملاحظہ ہوں : ''تمام پسینے پسینے ہو رہیاں ہیں ، گویا حسن کے دریا میں غوطے مار نکلیاں ہیں'' ''وے دونوں سکھییاں اس کا منہ دیکھتی ہی رہتیاں تھیں ۔'' ''وے صورتیں مورتوں سی بار بار سر ، کاندھے ، کمر پر گھڑے لے لے آتیاں ہیں ، سانسیں چڑھ جاتیاں ہیں ۔'' فعل مستقبل کا انداز دیکھیے ''منی اس کی شادی کرے گا یا صاحب کی بندگی کروا وے گا'' یہ انداز اگرچہ آج کل کے قاری کے لیے بے ڈھب سا ہے لیکن پنجابی زبان سے آگاہی رکھنے والے کے لیے لطف سے خالی نہیں ۔ قدیم زمانے میں اردو اور پنجابی کے بیشتر اصول و قواعد مطابقت رکھتے تھے جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ ایک ہی زبان تھی ۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے تک ان اصولوں کی کارفرمائی جوان کی تحریر میں ملتی ہے ۔ اس طرح لسانیات کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے سکنتلا زبان کے ارتقا میں ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے ۔

جوان کی زبان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے ہم عصر نثر نگاروں کی طرح ہندی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں ۔ فورٹ ولیم کالج کے مترجمین میں یہ روش عام نظر

آتی ہے کہ وہ بعموم ہندی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ کہیں اس انداز میں اعتدال سے کام لیا گیا ہے جس کی مثال میر امن کے یہاں ملتی ہے اور کہیں اس میں افراط کا پہلو جھلکتا ہے جس طرح مظہر علی ولا کے ''بیتال پچیسی'' کے ترجمے میں ہندی الفاظ کی بھرمار ہے ۔ کاظم علی جوان کے یہاں بھی ہندی الفاظ کی کثرت ہے لیکن یہاں ولا جیسا حال نہیں ۔ ہندی الفاظ کی آمیزش کی وجہ ایک تو شاید یہی ہو کہ ان دنوں بول چال میں ہندی کے الفاظ استعمال ہوتے ہوں ۔ جو ہندی الفاظ اردو شاعری میں فارسیت کی بالادستی کی بہ دولت بر وقت جگہ نہیں پا سکتے تھے ، وہ بول چال کی سی نثر میں بلا تامل استعمال ہونے لگے ۔ دوسرے یہ کہ سکنتلا ایک ہندی کتاب کا ترجمہ ہے اور لکھانے والے للوجی لال کب ہیں ، تو ظاہر ہے کہ ان الفاظ کی آمیزش ایک فطری سی بات تھی ۔ کہیں یہ الفاظ نامانوس اور اجنبی سے محسوس ہوتے ہیں اور پڑھنے والے کو کھٹکتے ہیں لیکن اکثر جوان نے ہندی کے ایسے ہلکے پھلکے ، نرم و ملائم ، میٹھے اور رس بھرے الفاظ شامل کیے ہیں کہ ان سے عبارت میں ایک نئی لذت پیدا ہو گئی ہے ۔ یہ الفاظ پڑھتے ہوئے نہ زبان کہیں اٹکتی اور لڑکھڑاتی ہے اور نہ خیال میں کوئی الجھن اور رکاوٹ محسوس ہوتی ہے ۔ جملوں میں ہندی الفاظ کے دوش بہ دوش فارسی کے سبک اور شیریں الفاظ کی آمد اور مرکب ترکیبوں میں ہندی و فارسی الفاظ کا پیوند بہت بھلا معلوم ہوتا ہے ۔ اس کہانی کے پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے رسیلے ہندی الفاظ جن کا استعمال ان دنوں متروک ہو چکا ہے ، پھر سے ادا ہونے کے قابل ہیں ۔ ان الفاظ میں آج بھی تازگی اور لذت کی کمی نہیں ۔ ان کے استعمال سے زبان میں ایک نیا

لطف پیدا ہو جائے گا اور زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں معتدبہ اضافہ اور بیان میں وسعت پیدا ہو جائے گی ۔ زبان کے اعتبار سے قدیم داستانوں کی انشا پردازی اور فورٹ ولیم کالج کی نثرنگاری میں یہ ایک اہم فرق ہے کہ قدیم داستانوں کی زبان میں فارسیت کا غلبہ ہے اور اس کالج کی تحریر میں فارسیت کے بادل چھٹ گئے اور سیدھی سادی نثر کی ترقی کے لیے مطلع صاف ہو گیا ۔

کاظم علی جوان کی زبان کی ان خصوصیات کے علاوہ ان کے اسلوب کے چند نمایاں پہلو اجاگر ہوتے ہیں ۔ سادگی اور سلاست ان کا اہم جزو ہے ۔ اس کے پڑھنے والے کا ذہن کسی جگہ بھی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا ۔ سادہ بیانی میں بعض اوقات یہ خطرہ دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں بیان میں عامیانہ پن نہ آ جائے لیکن جوان کا انداز بیان اس عامیانہ اور سطحی پن سے مبرا ہے ۔ ان کی سادگی میں عمومیت اور ابتذال کی خامی نہیں ۔ جوان کا اسلوب اس نوع کے داغ دھبوں سے پاک ہے ۔ وہ ایک خاص تہذیبی سطح سے نیچے نہیں اترتے اور اپنے اسلوب کے ادبی معیار کو قائم رکھتے ہیں ۔ بول چال کے انداز میں ادبی رنگ آمیزی نے جوان کے اسلوب کو جاذب نظر اور لطف آفریں بنا دیا ہے ۔ جملوں کی ساخت ، الفاظ کا انتخاب اور ان کی باہمی ترتیب میں تناسب اور حسن نے عبارت میں دل کشی پیدا کر دی ہے ؛ چنانچہ ان کی سادگی میں روانی ، سلاست میں فصاحت اور مجموعی طور پر جملوں میں لطافت ، گھلاوٹ اور حلاوت کے لطیف تاثرات پیدا ہو گئے ہیں ۔ جوان نے بول چال کی زبان میں روانی اور شیرینی پیدا کرنے کے لیے اصول و قواعد کو بہت کم پیش نظر رکھا ہے ۔ حرف صلہ (کہ) کے استعمال ، جملوں میں مبتدا اور خبر ، مضاف اور مضاف الیہ کی ترتیب میں وہ صرف ایک بات کو ملحوظ رکھتے

ہیں کہ زبان کی روانی اور برجستگی ، اس کے صوتی توازن ، اس کی سادگی و سلاست میں فرق نہ آئے اور وہ سامع پر خوش گوار اثرات مرتب کریں ۔

کاظم علی جوان نے اس کہانی میں ہر جگہ الفاظ سے صوتی آہنگ پیدا کرنے کی سعی کی ہے ۔ اکثر اوقات ہم آہنگ الفاظ کا التزام عجب مزا دیتا ہے ۔ اس کی مثالیں ہر صفحے پر مل جاتی ہیں ۔ کہیں سے ورق الٹیے اور دیکھیے کہ جوان نے اپنی عبارت میں آہنگ و ترنم ، توازن و تناسب کی کیا خوبیاں بھر دی ہیں ۔ لیکن بعض اوقات جوان تکلفات پر بھی اتر آتے ہیں ، لیکن ان کی عام زبان صاف اور ستھری ہونے کے باعث یہ عیب چھپ جاتا ہے اور بدمزگی پیدا نہیں ہوتی جو ان کے ہم کار مرزا علی لطف کے بیان میں ملتی ہے ۔ لطف بھی اسی کالج سے منسلک تھے لیکن دوسرے مؤلفین کے برخلاف ان کی زبان گنجلک اور تعقید سے معمور ہے ۔ لطف قافیہ پیمائی کے عادی ہیں ، ہر جگہ مقفیٰ و مسجع عبارت لکھتے ہیں ، تشبیہ و استعارہ سے اکثر کام لیتے ہیں ۔ جوان بھی اپنی شاعرانہ ترنگ میں قافیہ پیمائی کرنے لگتے ہیں اور رعایت لفظی کو کام میں لاتے ہیں اور ایسے مقامات پڑھنے والوں پر بار خاطر ہوتے ہیں ، لیکن جہاں قصد و ارادہ کے بغیر ہم آہنگ الفاظ یک جا ہو جاتے ہیں اور بلا تکلف نوک قلم سے ٹپک پڑتے ہیں ، وہاں عبارت کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے ۔ ذرا صفحہ دس پر منیکا پری کا آنا دیکھیے اور پھر وسوامتر کا اس پر نثار ہونا ملاحظہ کیجیے ۔

جوان کے اسلوب میں بھی تشبیہوں اور استعاروں کی کمی نہیں لیکن ایسی بھرمار بھی نہیں جو مرزا علی لطف کا طرۂ امتیاز ہے ۔ جوان کی عبارت میں ادبی چاشنی ، حسن بیان کے ان ہی کارندوں

کی آمیزش کی وجہ سے ہے لیکن یہاں بھی سلاست کو برقرار رکھتے ہیں ۔ دور از کار تشبیہات سے انہیں سروکار نہیں ۔ وہ پیش پاافتادہ چیزوں کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں ۔ مینکا پری ، سکنتلا اور اس کی سکھیوں کی تعریف میں جوان نے نہایت پر لطف انداز اختیار کیا ہے اور پھر وسوا متر اور راجا دشمنت کے جنون محبت کی تصویریں بہت شاعرانہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کی ہیں ۔ جوان نے حسن کلام کے نمائندوں سے مدد لے کر بہت اچھے اچھے مرقعے پیش کیے ہیں ۔

مرقع نگاری جوان کی تحریر کا خاص وصف ہے ۔ جہاں سکنتلا کا سراپا پیش کیا ہے ، ہر پڑھنے والے کو اس کے حسن سے سراپا حیرت کیا ہے ۔ ایک جگہ سکنتلا اور اس کی سکھیاں آشرم کے درختوں کو پانی دے رہی ہیں ۔ اس سمے کا نقشہ بہت خوب ہے ۔ پھر اس وقت کا منظر دیکھیے جب راجا ان کے سامنے آتا ہے ۔ غیر مرد کو دیکھ کر ان پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے، قابل دید ہے ۔ ایک طرف حسن کا جلوہ ہے اور نظریں اس طرف کھنچی جاتی ہیں اور دوسری طرف شرم و حیا دامن گیر ہے اور خود ہی خود جھجکی جاتی ہیں ۔ جب پہلی بار ملاقات کے بعد سکنتلا راجا سے جدا ہوتی ہے تو ایک طرف محبت کی کشش ہے کہ قدموں کو آگے بڑھنے سے روکتی ہے ، دل ہے کہ پیچھے رہا جاتا ہے ، حجاب ہے کہ وہاں ٹھہرنے کا یارا نہیں ۔ وہ اس کش مکش میں جدا ہوتی ہے ۔ پاؤں سے کانٹا نکالنے کے بہانے پیچھے رہ رہ جاتی ہے ۔ آنچل کبھی کانٹوں میں الجھتا ہے ، کبھی خاک پر گرتا ہے ۔ اسے سنبھالتی ہے اور کنکھیوں سے راجا کو دیکھتی ہے ۔ الفاظ میں جوان کی تصویر کشی قابل داد ہے ۔ اس کہانی میں بہت سی ایسی تصویریں دیکھنے میں آتی ہیں جو مصور کی سی چابک دستی سے پیش کی گئی ہیں ۔ یہ

بالکل فطری تصویریں ھیں اور فطری انداز میں پیش کی گئی ھیں۔

ان تصویروں کا ایک نمایاں پہلو جذبات نگاری ھے۔ اوپر جن مناظر کی طرف اشارے کیے گئے ھیں ان میں جذبات نگاری کا حسن ہویدا ھے۔ ان الفاظ کے قالب میں دل کی دھڑکنیں محسوس ھوتی ھیں۔ جذبات کی تصویر کشی میں جوان کو مہارت حاصل ھے۔ وہ سماں دیکھیے جہاں سکنتلا راجا سے جدا ھو کر بے چین و بے قرار ھے۔ سکھیاں اس پر واری صدقے ھوتی ھیں۔ سکنتلا دل کا درد چھپائے کبھی دھوپ کی تپش کی شکایت کرتی ھے اور کبھی سموم کی شدت کا شکوہ کرتی ھے۔ کنول کی پتیوں کی سیج پر پڑی بے کلی سے پہلو بدلتی ھے۔ نہ محبت کا اظہار کر سکتی ھے، نہ پریم کی آگ سے کسی پہلو کل پڑتی ھے۔ برہ کی آگ میں اسے کسی بات کی سدھ نہیں۔ لباس بدن کا میلا ھے، گریبان برنگ گل سراسر چاک، تن پر جمی ہوئی جنگل کی خاک، لب خشک، چشم تر، اشک ارغوانی، چہرہ زعفرانی، بے تاب، بے قرار، پریشان خاطر، عجب احوال سے نالہ و زاری کر رھی ھے۔" اور پھر وہ منظر دیکھیے جہاں سکنتلا تپ بن سے رخصت ھو رھی ھے۔ اس طویل منظر میں جذبات نگاری اپنی مثال آپ ھے۔ یہاں کیا سکھیاں، کیا کنومنی، کیا گوتمی، کیا دوسرے سادھو سنت اور کیا تپ بن کے چرند و پرند اور پیڑ پودے، سب جدائی کے سوگ میں ڈوبے ھوئے ھیں۔ سب اپنی اپنی چاہ کے اندازے سے اپنی سدھ کھو رہے ھیں۔

جوان نے بعض جگہوں پر سماں بندی اور فضا سازی کے بھی جوھر دکھائے ھیں۔ ایسے مواقع بہت کم ھیں اور مختصر لیکن جہاں جہاں بھی ھیں، حسین و دل کش ھیں۔ بڑی خوبی یہ ھے کہ منظر کشی آنے والے واقعات یا جذباتی کیفیات کے پس منظر کا کام دیتی ھے۔ جہاں سکنتلا برہ کی ماری بے چین لیٹی ھے، وھاں

ادھر کوئل کوک رہی ہے اور ادھر سکنتلا کے دل سے پریم کی ہوک اٹھ رہی ہے ، ادھر ہوا کے نرم نرم جھونکوں سے درختوں کی ڈالیاں جھول رہی ہیں اور ادھر سکنتلا کا من پریمی کی یاد میں ڈول رہا ہے ۔ ادھر درختوں سے چھن چھن کر آنے والی دھوپ چھاؤں کا منظر ہے ، ادھر سکنتلا کے ہردے میں امید و بیم ، آس اور ہراس کی لہریں اٹھ رہی ہیں ۔ ایک اور جگہ جب راجا اور سکنتلا کا ملاپ ہونے والا ہے ، وہاں دلوں کے کنول کھلنے ، محبت کا پھل پانے اور خوش و خرم زندگی کے آغاز کی پیش گوئی منظر کی تصویر کشی سے ہوتی ہے ۔

غرض ''سکنتلا'' ہندوستانی ثقافت کا ایسا مرقع ہے جس نے اپنی گوناگوں خوبیوں کی بدولت عرصے تک لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی اور کلاسکی ادب میں ایک بلند مقام پیدا کیا ۔

(ڈاکٹر محمد اسلم قریشی)

۱ - جن نسخوں سے زیر نظر اڈیشن مرتب ہوا ہے ، ان میں کتاب کا نام ''سکنتلا'' ہے اور صحیح بھی یہی ہے ۔ اس لیے اسی کو ترجیح دی گئی ۔

سکنتلا

بسم اللہ الرحمانُ الرحیم

پری ہو یا انسان کسی کی کیا جان جو اس کے شاہد و حمد و ثنا کے حسن و جمال پر کر سکے نگاہ ۔ کلام معجز نظام احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کو اس پر ہی گواہ کیا ، وہ جلوہ تھا جسے دیکھ موسیٰ آپ میں نہ رہا ۔ عشق ہے اس کے حسن کا کہ کوئی تو دیوانہ ہوا اور کسی نے اپنا جی ہی دیا ۔ کون ہے ایسا جس کے دل کو اس کی نہیں ہے لاگ ؟ اسی کا سوز و محبت رکھتی ہے آگ !

رباعی

بزم حیرت میں مثال شمع ہر اہل نیاز
اے جواں رکھتا ہے کیا کیا دل میں اپنے سوز و ساز
لب پہ مہر خامشی بہتر ہے سوز عشق سے
ہو نہ از خود رفتہ بس آگے نہ کر افشائے راز

اب یہ ہیچ‌مدان ہر صغیر و کبیر کی دریافت کے لیے اس روزگار کے سررشتے سے کہ سرکار میں کمپنی بہادر دام اقبالہ کی مقرر ہوا ، بیان کرتا ہے ۔

کرنیل اسکاٹ صاحب جو لکھنؤ کے بڑے صاحب ہیں ، انھوں نے حسب‌الطلب گورنر جنرل بہادر دام ملکہ کے ۱۸۰۰ء میں کتنے شاعروں کو سرکار عالی کے ملازموں میں سرفراز فرما کر اشرف البلاد کلکتے کو روانہ کیا ۔ انھوں میں احقر بھی یہاں وارد ہوا اور موافق حکم حضور خدمت میں مدرسۂ ہندی کے جو صاحب والا مناقب گلکرسٹ صاحب بہادر دام ظلہ ہیں ،

شرف اندوز ہوا ۔

دوسرے ہی دن انہوں نے نہایت مہربانی و الطاف سے ارشاد فرمایا کہ سکنتلا ناٹک کا ترجمہ اپنی زبان کے موافق کرو اور للو جی لال کب کو حکم کیا کہ بلاناغہ لکھایا کرے ۔ اگرچہ کبھی سوائے نظم کے نثر کی مشق نہ تھی لیکن خدا کے فضل سے بخوبی انصرام ہوا کہ جس نے سنا پسند کیا اور اچھا کہا ۔ بہت سا پڑھنے لکھنے میں آیا اور کچھ چھپ کر اتفاقات سے رہ گیا ۔

ان دنوں میں کہ ۱۸۰۰ عیسوی ہیں اور احقر قرآن شریف کے ہندی ترجمے کا محاورہ درست کرتا ہے ، صاحب ممدوح نے فرمایا ''ہم چاہتے ہیں کہ اب اس کتاب کو سر نو چھپواؤں ، نظر ثانی لازم ہے اور اس کب کو فرمایا کہ تم بھی اسی کتاب سے مقابلہ کرو کہ اگر کہیں مطلب کی کمی بیشی ہوئی ہو ، نہ رہے ؛ چنانچہ ہم ان کا فرمانا بجا لائے ؛ پھر موافق حکم صاحب کے بندے نے تھوڑا سا دیباچہ اور بھی لکھا والا نہ اگلا یہی ہے ۔

خدا کا نام لے پہلے زبان پر
لگا پھر دل کو اپنے داستان پر

یہ قصہ فرخ سیر بادشاہ کی سلطنت میں سنسکرت سے برج بھاکا میں ترجمہ ہوا تھا ۔ اب شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں اور زبدۂ نوئینان عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگستان اشرف الاشراف مارکویس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام دولتہ کی حکومت میں ، ۱۸۰۱ء مطابق ۱۲۱۵ ہجری کے ، جناب جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام ظلہ کے حسب الحکم کاظم علی جوان نے اسے زبان ریختہ میں بیان کیا ۔

اس داستان کے لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ فرخ سیر بادشاہ کے فدویوں میں سے مولیٰ خاں فدائی خاں کے بیٹے نے جب

ایک لڑائی ماری ، تب حضور پر نور سے اس کا خطاب عظیم خاں ہوا ۔ انھیں ایام میں اس نے نواز کشور کو حکم کیا کہ سکنتلا ناٹک جو سنسکرت میں ہے ، برج کی بولی میں کہہ ۔ اس کبیشر نے یہ کہانی کبت دوہرے میں کہی کہ جس کا ترجمہ یہ ہے ، اور جو انگریزی میں ہے وہ سنسکرت سے ہوا ہے ۔ اگر اُس میں اور اس میں کچھ فرق ہو تو ممکن ہے ۔

اب صاحبان دانش و بینش کی خدمت میں التماس میرا یہ ہے کہ چشم و گوش انصاف کھولیں اور ٹک منصفی سے بولیں کہ کبت اور دوہرے کا ترجمہ جیسے چاہیے ویسا زبان ریختہ میں کب ہوسکتا ہے ۔ اس کے اور اُس کے مضمون کی بندش کا فرق کھلا ہوا ہے ، بیان کی احتیاج کیا :

طرز اس کی ہے جدا اُس کا نرالا طور ہے
اس کا عالم اور ہے اور اُس کا عالم اور ہے

قطع نظر اس سے کہ کبت ہو یا دوہرا ، نظم کا ترجمہ نثر میں طبیعت کو منتشر کرتا ہے ، کیا کیا جائے ؟

لکھے یہ اس لیے دو چار فقرے
اگر جائے تامل ہو کسی جا
گرفت اس میں نہ ہو اہل خرد کو
کہ اس مضمون کا یاں طور یہ تھا
وگر دیکھیں خطا تو بھی سمجھ کر
معاف اس کو کریں ہو لطف فرما
کہ خالی ہے بشر کوئی خطا سے ؟
کسی کو اس میں طعنے کوئی دے کیا
جواں بس دل لگا تو داستاں پر
یہاں سے یوں ہے اب آغاز اس کا

آغاز داستان

که اگلے زمانے میں وسوا متر نام ایک شخص تھا ۔ شہر کو چھوڑ جنگل میں رہا کرتا اور اپنے طور کی عبادت و رياضت دن رات کیا کرتا ۔ اپنے صاحب کی بندگی میں تن بدن کی کچھ اسے خبر نہ تھی ، سوا اسی کے تصور کے کبھی نگاہ ادھر آدھر نہ تھی ؛ یہاں تک دبلاپے سے لٹا تھا کہ پہچانا نہ جاتا :

بدن پھول سا سوکھ کانٹا ہوا تھا
ریاضت کے مارے وہ جیتا موا تھا

ان دکھوں سے اس کو کبھی ایک دم آرام نہ تھا ۔ سوا آٹھانے ان جفاؤں کے کچھ کام نہ تھا تاکہ اس خاکساری سے آرزو دل کی بر آوے اور درخت سے مدعا کے پھل پاوے ۔ ایسا جوگ کیا اور ایسا آسن باندھ بیٹھا کہ نزدیک تھا کہ بندگی کے زور سے راجا اندر کی سنگھاسن چھین لے ۔ جتنے تیرتھ تھے ، ان سب میں گیا ، شہر شہر دریا دریا ، گھاٹ گھاٹ پرکرما کرتا پھرا ، نہ چھوڑا کسی ندی کا کنارہ ۔

جس جنگل میں کسی درخت تلے وہ بیٹھتا ، گردا گرد آگ جلاتا ۔ پھر اپنے تئیں آلٹا لٹکاتا ، دم بدم دھواں منہ میں لیا کرتا ، تپسیا اس طرح کیا کرتا ۔

غرض اس تپسوی کا یہی حال تھا ۔ آٹھوں پہر تپ جپ کا خیال تھا ۔ چونسٹھ برس تلک وہ بیابان نورد تھا ، سر سے لگا کے پاؤں تلک گرد گرد تھا ۔ بناسپتی ھی کھاتا رہتا ، بھوک پیاس کی ایذائیں سہتا اور رو بہ آفتاب ہو کر :

رباعی[1]

گرمیوں میں وہ جگر تفتہ جلا کر گرد آگ
بیٹھتا تھا ڈھیر جیسے راکھ کا آوے نظر
اور جاڑوں میں گلے تک پانی میں ہو کر کھڑا
جپ کیا کرتا تھا شوق دل سے ہر شام و سحر

ایسی باتیں سن کر راجا اندر کو بہت سوچ پڑا ، ڈر دل میں ہوا ۔ اس کے اس جوگ کو توڑنے کے لیے منیکا پری کو بلا کر بہت سی آؤ بھگت کی اور یہ احوال ظاہر کیا ۔ وہ راجا کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوئی اور اس مطلب کے سنتے ہی یوں بولی کہ میں وہ پری ہوں ، اگر میرا سایہ برھابشن مہادیو پر پڑے ، دیوانے ہوجاویں :

ابیات

جو وے ہوویں وحشی تو کرلوں میں رام
مری یاد میں بھولیں سب اپنے کام
یہ ایسی ہیں جادو بھری انکھڑیاں
رہے دیکھ کر اُن کو سدھ بدھ کہاں

۱۔ فورٹ ولیم کالج کے انتخاب (ناقص الاول والاخر) میں اس رباعی کو نثر کی طرح لکھا گیا ہے، صورت یہ ہے :

''گرمیوں میں وہ جگر تفتہ جلا کرگرد آگ، بیٹھتا تھا ڈھیر جیسے آگ (کا) آوے نظر ۔ اور جاڑوں میں گلے تک پانی میں ہو کر کھڑا ، جپ کیا کرتا تھا شوق دلی (دل) سے ہر شام و سحر ۔''

نسخہ مذکور میں رباعی کے دونوں شعروں کے آخری مصرعے ساقط الوزن ہیں ۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''کا'' رہ گیا ہے اور دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''دل'' کی بجائے ''دلی'' چھپا ہے ۔ (مرتب) ۔

یہ احوال جب ایسے لوگوں کا ہو
رکھوں پاک دامن میں کب اور کو

وسوامتر کو ایک پل میں اپنے پر دیوانہ کرلوں، تمام عمر کو قشقے کی جگہ یہ کلنک کا ٹیکا ماتھے پر دھر دوں۔ جوگی یا جتی تین طبق میں کون ایسا ہے جو مجھ سے آپ کو بچاوے؟ اس کو تو میں دم میں اور کا کچھ اور کر دوں۔ قسم ہے مہاراج کی! اگر اسے 'کام' کے بس کر، انگلیوں پر نہ نچاؤں تو نام اپنا بنیکا نہ رکھاؤں۔

باتیں کتنی ایسی ہی کرکے، بین کاندھے پر دھر وہاں سے اٹھی، بیٹھ اپنے تخت پر ہوائے آسمان سے زمین پر اتری۔

وہ ایسا ایک ستارہ تھی کہ تمام عالم کو جس نے روشن کر دیا؛ تس پر سولہ سنگار، بارہ ابھرن جو اس نے سر سے پاؤں تلک کیے، دن کو تو سورج اس کا جلوہ دیکھ رشک کی آگ سے جلا اور رات کو چاند غیرت سے داغ ہو کر ستاروں کے انگاروں پر لوٹا۔ ویسی موہنی صورت اور وہ بناؤ جو دیکھا جوگ بجوگ میں آگیا، تپسیا کا پیڑ جڑ سے اکھڑ گیا۔ وہ خرمن صبر کی جلانے والی بجلی تھی کہ جس پر اس کی نگاہ گرم پڑی بے تاب ہوکر دل اس کا سینے میں بھسم[1] ہوگیا۔ اگر فرہاد دیکھتا، جان شیریں دیتا، لیلیٰ مجنوں ہو جاتی:

نہ بلبل ہی ہوئی تھی اس پہ شیدا
گلوں کے بے کلی تھی دل میں پیدا

بہشت سے نکل کر جو اسے دیکھتی حور، تو یقین ہے کہ جان دینے میں نہ کرتی قصور:

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج مذکور میں ''بھسمنت'' ہے۔

دیکھ کر اس کو کافر و دیں دار
کرتے آپس میں تھے یہی تکرار

جہاں یہ صنم آوے یا رب نظر
کسے دین و دنیا کی واں ہو خبر

حاصل کلام وہ اس صورت سے اُس منی کے موہنے کو اور من بس کرنے کو اٹھکھیلیوں کی چال خرام ناز کے انداز سے چلی۔ اچپلاہٹ اور چنچل پنے سے ٹھوکر دامن کی گریبان شکیبائی کو چاک کرتی تھی، آنچل دوپٹے کا سر پر سے کاندھے پر اور کاندھے سے پھسل کر زمین پر آ رہتا تھا۔ اس سرو گل اندام کے اس ناز و انداز پر نسیم و صبا صدقے قربان جاتی تھی۔ مد بھری وے آنکھیں دیکھ کر نرگس پیالہ شراب شوق کا لے کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی تھی، کمر کی لچک سے تار تار سنبل کا پیچ و تاب کھاتا تھا۔

بین بجاتی ہوئی، ہولی گاتی ہوئی، دھیان تالوں پر دھرے، پھول دامن و گریبان میں بھرے ہوئے آ کر وہاں جلوہ گر ہوئی جہاں وہ جوگ سادھے تپسیا کر رہا تھا۔ یک بہ یک پازیب کے گھونگروؤں کی جھنکار، بین کے تاروں کی آواز گانے کی لے سے ملی ہوئی سن کر بے قرار ہوا۔ اس نے جونہیں آنکھیں کھول دیں، ایسی شکل نظر آئی کہ ایک ہی نظارے سے اس کا سب دھیان گیان جاتا رہا، برسوں میں جپ کی جتنی پونجی جمع کی تھی اس کے ناز و غمزے کی فوج نے سب کی سب ایک ہی دم لوٹ لی۔ پھر وہ غش کھاتا ہوا اٹھ کر پروانہ وار اس شمع رو کے گرد پھرنے لگا اور بے تابی سے دم بدم قدموں پر گرنے۔ بلائیں سر سے پاؤں تلک لینے اور صدقے ہو ہو جان اپنی دینے لگا۔

دل اس کا محو جلوۂ جانانہ ہوگیا
کرتے ہی یک نگہ کے وہ دیوانہ ہوگیا

تب تو پری دم دلاسا دے ، اسے ہوش میں لا ، اپنی بھی چاہت جتا ، گرم جوشی کرکے اس مزے میں لائی کہ اس کے دل نے پہلے بوس و کنار سے نہایت لذت پائی ، پھر تو 'کام دیو' نے آکر اپنا کام کیا کہ ایک آن میں اس کا وہ کام تمام کیا ۔ اس نے اپنے اس جوگ کا یہ پھل پایا کہ ایک دم کے مزے کی خاطر سب کچھ گنوایا ۔ پھر بہت سا پچھتایا کہ میں نے کیا برا کام کیا ، اپنے تئیں تمام بھلوں میں بدنام کیا ۔

تب تو اس کے سوا کچھ اور بن نہ آیا کہ اس بن کو چھوڑ اور بن کو گیا ۔ اور منیکا کو وھیں حمل دریافت ھوا ، اس سبب اسے راجا اندر کے دربار میں جانا بار ھوا ۔ چار و ناچار نو مہینے تلک دن گنتی رہی ۔

جب مدت پوری ھوئی تو ایک ماہ رو لڑکی جنی ۔ قہر یہ ھے کہ بے مہری سے نہ چھاتی لگا کر اسے دودھ دیا ، بے الفتی سے نہ ایک دم گودی میں لیا ۔ نسل انسان کی جان ، محبت ذرا نہ کی اور وھیں پٹک کر اس نے اتنی بات کہی کہ جسے ہماری ذات میں کوئی نہ رکھے ، اسے کیوں اللہ نے دیا :

بیت

بات یہ جوں نکلی لب سے کہا وھیں وہ پیچ و تاب
اڑ گئی آئی جدھر سے تھی بہ چندیں اضطراب
وہ تو گئی اُدھر یہ رہی ادھر ۔

اب آگے داستان کا یوں بیان ھے کہ اس جنگل میں سوا خدا کے اس کا کوئی خبر لینے والا نہ تھا ، پر ایک پکھیرو اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے تھا ، اس سے اس کا نام سکنتلا ھوا ۔

وهاں پڑی ہوئی وہ روتی تھی ، آنسوؤں کے موتی پلکوں میں پروتی تھی ، دودھ کے لیے منہ پسار رہی تھی ، ہاتھ پاؤں مار رہی تھی کہ پروردگار عالم نے اپنا فضل کیا ۔ جو 'کن منی' کبھیں نہانے کو چلے تھے ، جوں اس طرف سے ہو نکلے ، دیکھا کہ یہ کیا قدرت الٰہی ہے جو اس صورت سے نظر آتی ہے :

رباعی[1]

آس نو گل چمن کو گلستاں سے دور دیکھ
حیراں برنگ بلبل تصویر ہوگئے
غلطاں در یتیم سی تھی لیک خاک پر
غلطانی اس کی دیکھ وے دل گیر ہوگئے

اس پر انہیں نہایت ترس آیا ۔ دوڑ کر خاک پر سے اٹھایا ۔ گودی میں لے کر کہنے لگے ''یہ پری ، جن یا کسی قوم کی ایسی خوبصورت لڑکی ہے کہ دیکھی نہ سنی ۔ کچھ کہا نہیں جاتا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا ، کس نے اس جنگل میں لا کر خاک کے اوپر اس چاند کے ٹکڑے کو ڈال دیا تھا ۔''

آسے چھاتی سے لگائے ہوئے وے دل میں سوچ بچار کرتے گھر کو پھرے ۔ مکان میں پہنچتے ہی اپنی بہن گوتمی کو اس کی صورت دکھا کر پیار سے کہا کہ جی لگا کر بہت اچھی طرح پرورش کرتی رہیو ، ایسا نہ ہو کہ کسی طور سے کوتاہی ہو ۔

لڑکی کی جو وہ صورت اس نے دیکھی اور بھائی کی اس کے

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں اس رباعی کو نثر کی شکل میں لکھا گیا ہے ۔

حق میں یہ مہربانی کی باتیں سنیں ، پہلے اس کی بلائیں لیں ، پھر گود سے لے کر اپنے گلے لگا پالنے لگی ۔ دن رات چھاتی پر اسے لٹاتی تھی ، مہر و محبت سے دودھ پلواتی تھی ۔

وہ اس صورت سے پلتی تھی اور جتنے اس جنگل کے تپسوی تھے ، اس کو پیار کرتے تھے ، سب کی وہ پیاری تھی ۔ ان سبھوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ 'کن منی' کی بیٹی ہے ۔ دن بدن وہ بڑی ہوتی تھی اور تخم محبت ہر دل میں بوتی تھی ۔

اور بھی دو لڑکیاں وہاں تھیں ؛ ایک کا نام انسویا تھا اور دوسری کا نام پریم ودا ۔ تینوں پرورش پاکر جب بڑی ہوئیاں ، آٹھ پہر ساتھ کھیلنے لگیاں ۔ ان سبھوں کو آپس میں ایسا پیار و اخلاص تھا ، گویا ان کی ایک جان اور جدا جدا قالب تھا ۔

ابیات

هر ایک آن میں تھی زهره و مهر و ماه
جنھیں دیکھ کر هوئے یوسف کو چاه
اگر چاهے شاعر کرے شاعری
بیاں ان کی هووے نه خوبی ذری

خدا نے اپنے دست قدرت سے ان تینوں کے سراپا میں سراپا خوبیاں بھر دیں تھیں :

بھویں جب که غصے میں تھیں تانتیں
جگر تیر مژگاں سے تھیں چھانتیں
تلطف سے جس دم که وے هنستیاں
تو زاهد کو بھی سوجھتیں مستیاں

هر ایک کا وہ پری سا چہرہ جو نظر آتا ، کوئی تو غش کھاتا اور کوئی دیوانہ ہو جاتا :

جو زلفیں تھیں زنجیر پائے جنوں
کفِ پائے رنگیں تھی سر گرم خوں

اگرچہ ظاہر میں وے سبھی سر سے پاؤں تک تمام حسن و جمال اور ناز و ادا تھیں ، لیکن حقیقت میں وہ شعلہ بھبھوکا کہ جس کا نام سکنتلا تھا ، اپنے ایک جلوے سے دل و جان دونوں اس جہان کا پھونک دیتی تھی - شہرہ اس کی گرم بازاری کا ، دھوم کے حسن عالم‌سوز کی ایسی تھی کہ آفتاب عالم تاب کو ایک ذرہ اس کے آگے تجلی نہ تھی :

کہاں تک بیاں اس کی ہوں خوبیاں
سراپا تھیں آس میں خوش اسلوبیاں

القصہ کن منی نے ایک دن اس نازنین سے یہ بات کہی کہ اب میں تیرتھ کو جاتا ہوں ، تھوڑے سے دنوں میں نہا کر پھر آتا ہوں ، تب تلک تو چین و آرام سے خوش رہیو ، جو کچھ مطلوب ہو گوتمی سے کہا کریو ، وہ تیری خاطر حاضر کیا کرے گی اور جان و دل سے صدقے قربان ہو کر سر سے پاؤں تلک تیری بلائیں لیا کرے گی - پر جو کوئی تپسوی یہاں آوے ، آدر کر پاؤں پڑیو اور اس کی خدمت کیجیو ، جہاں تک تجھ سے ہوسکے کوتاہی مت کیجیو -

پس اس طرح وہ اسے سمجھا سمجھا ، نصیحت دلاسا دے روانہ ہوا - اور وہ آتش کا پرکالا ، اندھیرے گھر کا اجالا ، شیریں منش ، لیلیٰ روش ، طلسم حسن و جمال کے گنج کا ، یعنی سکنتلا برنگ گل جس کی جگہ چاہیے تھی چمن میں ، رہی اسی بن میں :

شروع جوانی اور اس کا وہ جوبن
نیا عالم اپنا دکھاتا تھا بن بن

جتنے اس دشت کے چرند و پرند تھے ، وے اس کے دام محبت کے پابند تھے اور وہ خدمت میں منی لوگوں کی مشغول تھی ۔

جب کتنے دن گذرے ، ایک تازی وحشت آ اس سے دو چار ہوئی ۔ چار و ناچار اپنے دل کو یوں بہلاتی تھی ؛ کبھی ہرن کے بچوں کو دانہ ، کبھی درختوں کو پانی دیا کرتی اور خاطر اس کی ہر آن گوتمی ہر ہر طور سے کیا کرتی ۔ کن کی سفارش کے سوا وہ خود اس کی فرماں بردار بلکہ جان نثار تھی اور وے دونوں سکھیاں اس کا منہ دیکھتی ہی رہتیاں تھیں ۔

جب جوانی کی آمنگ نے عالم کچھ اور دکھایا ، شوخیاں نئے نئے طور کی اس نازنین میں سمانے لگیں ، دل داری اور دل ربائی کے اختلاط ان ہمجولیوں سے شروع کیے ۔ ترچھی نگاہوں ، تیکھی نظروں سے اشاروں میں ان کے دلوں کو بے چین کرتی تھی ، بگڑ بگڑ کر ہزاروں طرح چن چن کے ان کو نام دھرتی تھی :

کبھی ہنس بول کر نہال کیا
کبھی ٹھوکر سے پائے مال کیا

———

نہ تھا دل ربائی کا اک طور کچھ
ہر اک آن میں آن تھی اور کچھ

وہ قامت قیامت کا نمونہ بلکہ آمد میں اس سے بھی دونا ؛ تس پر تمام وہ ترکیب بدن کی جیسا پھولوں کا گڑوا ، آفت غضب وہ چھاتیوں کا ابھار ، چمن حسن کی اس سے تر و تازہ بہار ۔ عالم کچھ کا کچھ نظر آتا تھا جسے دیکھ کر عالم کا جی جاتا تھا ۔ کمر کی بھی لچک سے رگ جاں تلک پیچ و تاب تھا اور ہر روز جوبن اس کا اس اس چمک سے بڑھتا تھا کہ چودھویں رات کے چاند

کو بھی مکھڑا دیکھ کے چکا چوند آتی تھی ۔ اس جنگل میں اس کے حسن کی یہ جھلک تھی کہ ہزار پردوں میں چھپائے نہ چھپے۔

اس حسن و جمال پر اب بیان اس کے پہناوے کا جو کیجیے تو سن کر گل چمن میں اپنے گریبان پھاڑیں اور گلا ننگا دیکھ کر معدن و دریا میں جہاں تلک گوہر ہیں ، حسرت سے اپنے تئیں جوہر کریں ۔

اگرچہ حسن خدا داد لباس و زیور کے بند سے آزاد ہے کہ اس سے اس کی خوبی ہے ، نہ اس سے اس کی محبوبی ، لیکن بہ ظاہر خوش نما ہے اور باطن میں تو دل کی لبھانے والی ہر آن ادا ہے ۔

کہتے ہیں کہ اس کے بدن کی پوشش ہرن کی کھال تھی اور پوت کا بھی گلے میں ہار نہ تھا ، تب بھی گویا ہزاراں ہزار بناؤ تھا ۔ لیکن جوں جوں وہ جوانی پر آتی تھی توں توں خوبصورتی اور سماں دکھاتی تھی ۔ جس کسی کی آنکھ اس کے چاند سے مکھڑے پر پڑتی ، بے اختیار وہ یوں کہتا تھا :

مصور گر تری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے
لگوے چاند سارا ایک چہرے کے بنانے کو

یہاں اس کی یہ صورت تھی اور منی وہاں جو راہ چلا جاتا تھا ، یہی اس کے دل میں سوچ و بچار تھا ''جیسی وہ قبول صورت ہے ویسا ہی کوئی مقبول پری پیکر ماہ جمال اس کا جوڑا ہو تو دونوں ماہ و مشتری کے مانند وصل کے برج میں قران پاویں :''

یکایک سنو اور قدرت خدا کی

ایک دن راجا دشمنت کسی جنگل میں شکار کو نکلا تھا ۔ ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا اپنی فوج سے ایسا آگے نکل گیا کہ اس کی سپاہ جو گرد و پیش تھی ، بہت پیچھے رہ گئی ۔ جب

آس پاس اپنے آدمیوں میں سے کوئی اُس کو نظر نہ آیا اور دوپہر کی دھوپ سر پر پڑی، اور وہ ہوائے گرم بدن کو لگی۔ تب بے تاب و بے قرار ہوا اور وہ ہرن کہ چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا، اُس جنگل میں (کہ سکنتلا کی جہاں بود و باش تھی) نمودار ہوا۔ راجا نے جھنجھلا اور طیش کھا، تیر کو کمان کے چلّے سے جوڑ کر چاہا کہ اسے نشانہ کرے، ہنوز تیر قبضے سے کمان کے سرکنے نہ پایا تھا کہ آواز آئی ''تم راجا ہو اور ہم جتنے جنگل کے جوگی، تپسوی اور جتنے رہنے والے ہیں، کیا چرند کیا پرند، تمھارے سائے میں بستے ہیں، سبھوں کے تم رکھوالے ہو، ہا ہا! مہاراج! ہمارے تپ بن کا ہرن شکار مت کرو۔''

جب جوگیوں منیوں تپسیوں کی راجا نے یہ بات سنی، ہاتھ رکھ گھوڑے کی باگ لی، اُن سب رشیوں نے اشیر باد دیا۔

راجا نے ان کو ڈنڈوت کرکے یہ پوچھا ''کن کا یہاں مکان کون سا ہے؟ ہم جا کر درشن کریں اور ان کے قدم لیں۔''

یہ سن کر وے سب خوش ہوئے اور استھان ان کا پاس بتایا اور کہا ''تھوڑے سے دن ہوئے ہیں، کن منی تیرتھ کو گئے ہیں۔ انھوں نے ایک لڑکی کو بیٹی کرکے پالا ہے، سو وہ ان کے مکان میں ہے۔ جو مہاراج اب وہاں تلک جاویں گے تو کن منی تیرتھ سے آن کر سکنتلا سے یہ بات سن بہت خوش ہوویں گے۔''

راجا کے دل میں آ گئی، گھوڑے کو وہیں چھوڑ پاؤں پاؤں ان کے استھان تلک گیا۔ اس میں داھنی آنکھ جوں پھڑکی، دل میں شاد ہوا ''یہ شگون اچھا ہے۔'' پاؤں جب آگے دھرا، اس کا یہ پھل پایا کہ چھوٹی چھوٹی عمروں کی تین نازنینیں نظر آئیں لیکن انھوں میں:

جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

حسن و جمال و خوبی ایک ایک کی شہرۂ عالم ، جور و جفا و ستم میں ایک سے ایک اظلم ، لیکن جب دیدۂ غور و چشم تحقیق سے دیکھا ، ایک ان میں ایسی نازنین ہے کہ جس کے گل سے چہرے پر زلفیں جو سنبل سی ہوا سے جنبش میں ہیں ، تو کمر لچکی جاتی ہے ۔ اُس سے چمن رعنائی میں عجب بہار ہے اور ہر ایک آن دونوں میں سے نسیم و صبا سی اس پر نثار ہے :

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

وہ اس کا ایسا محو دیدار ہوا کہ بے خود ہو کر خاک پر گرا اور اپنے تن بدن کی کچھ خبر نہ رہی ۔ کتنی ایک دیر کے بعد جس تس طرح سے جو آپ کو سنبھالا تو دیکھا کہ وہ نازنین اپنے ہاتھوں سے گھڑے پانی کے بھر بھر پودوں میں دے رہی ہے ۔ وے دونوں اس کے ساتھ کی سکھیاں بھی اسی طرح پیڑوں کو سینچتی ہیں ۔ جان کر یہ بھی ایک طور کی بندگی ، خدمت اور پرورش درختوں کی کرتی ہیں ۔ اُن گل انداموں کے موے سر سے کہ سراسر غیرت سنبل ہیں ، قطرے شبنم کے سے ٹپک رہے ہیں اور تمام پسینے پسینے ہو رہیاں ہیں ؛ گویا حسن کے دریا میں غوطے مار نکلیاں ہیں ۔ وے صورتیں مورتوں سی بار بار سر ، کاندھے ، کمر پر گھڑے لے لے آتیاں ہیں ، سانسیں چڑھ جاتیاں ہیں اور منہ اُتر اُتر جاتا ہے ۔ چہروں پر اُن کے ایک رنگ جاتا اور ایک رنگ آتا ہے ۔ کبھی نزاکت سے پاؤں رپٹ جاتا ہے ، کبھی بوجھ سے بید کے مانند سارا بدن تھرتھراتا ہے :

نہ تھا ان کو وہ رنج راحت سے کم
ہر اک آن کرتی تھیں چہلیں بہم

درختوں کی چھاؤں میں کھڑی ہو ہو کر اپنے اپنے جوبن پر ایک ایک مغرور تھی ، لیکن آن سبھوں میں سکنتلا اپنے حسن خدا داد میں بہت دور تھی ۔ چمکاوٹ اس کے چہرے کی عجب جلوے دکھاتی تھی اور زلفیں بکھری ہوئیں منہ پر اس کے اس رنگ سے نظر آتیاں تھیں جیسے نمود دھویں کی شعلے پر ہوتی ہے یا جیسے کچھ کچھ گھٹا سورج پر آ جاتی ہے ۔ نگاہ بجلی تھی کہ نظروں میں کوندھ جاتی تھی ۔ اس تپ بن میں اس رنگ روپ سے سماں بندھا تھا :

خجل دیکھ کر اس کو ہوتا تھا ماہ
ٹھہرتی نہ تھی مہر کی بھی نگاہ

غرض کہ وہ کن کے مکان میں بہ ایں جلوہ افروزی ، ہر روش سے نونہالوں کو نہال کرتی تھی ۔

راجا نے اسے دیکھ کر تعجب سے کہا کہ اگر ہم اسے سرستی کہیں تو بین اس کے کاندھے پر کہاں ہے ؟ اگر گورا پاربتی کہیں تو بھی نہ کہہ سکیں کہ آدھا انگ مہا دیو کا ، آدھا انگ اس کا ہے ! یا لچھمی کہیں تو کیوں کر کہیں ؟ وہ چھاتی پر بشن کی رہتی ہے ، ایک دم آن سے جدائی نہیں سہتی ۔ اگر رنبھایا ، منیکا یا رت سوچیں تو وے جوانیں ہیں ، یہ جو اس کے نئے جوبن کا سن و سال ہے ، وے کب رکھتی ہیں ۔

راجا یہ باتیں سوچ سوچ کر حیران تھا اور دل میں بھی کہتا تھا ”مگر یہ کوئی حور ہے جو سراپا عیب سے دور ہے ۔“ جان و دل سے اس پر فریفتہ ہوا ، ہوش و حواس سب گم ہوئے ، اس کے حسن کے سمندر میں ڈوب گیا ۔ نگہ کے دام میں ، زلفوں کے جال میں دل یوں پھنسا کہ پھر رہائی جنجال ہوئی ۔ نقشہ اس کی صورت کا لوح دل پر کھنچ گیا ۔ آئینے کے مانند یہ سراپا

محو کے عالم میں تھا ، جدھر جدھر نگاہ اس کی پھرتی تھی اس کا جی جلا جاتا تھا ۔

غرض کہ یہ بن داموں کے غلام ہوا اور تیغ عشق سے کام تمام ہوا ۔ کبھی مجنوں کے مانند اس لیلیٰ منش کا شیفتہ تھا اور کبھی فرہاد سا اس شیریں ادا کا فریفتہ :

قطعہ

تیغ مژگاں سے جو سینہ سر بسر غربال تھا
دل برنگ نقش پا ہرہر قدم پامال تھا
اشک تھے آنکھوں سے جاری لب پہ تھا شور و فغاں
آہ اس دل دادۂ الفت کا یہ احوال تھا

جب کبھی ہوش میں آتا ، اتنی بات زبان پر لاتا ''آنکھوں نے تو اس کے حسن کی دید کی اور کان آواز پر لگے رہے لیکن سخن کے موتی جو وہ زبان سے پرووے ، کان صدف سے پر در ہوویں ۔ سو[2] یہ کیوں کر آرزو دل کی بر آوے ۔'' درختوں کی آڑ اور اوٹ میں چھپا چھپا وہ تو گرفتار دام محبت اس سوچ میں کھڑا تھا ، دید اس کے حسن کی کرتا تھا ، سرد آہیں حسرتوں سے بھرتا تھا لیکن ان میں کسی کی نگاہ اس پر نہ گئی ۔

اتنے میں سکنتلا سے دونوں سکھیاں پوچھنے لگیں کہ تو جو ان درختوں کو سینچتی رہتی ہے، کیا منی کو یہ تجھ سے بھی بہت پیارے ہیں ؟ جو تو ان کو[1] جان سے بھی چاہتی ہے زیادہ ، بھلا[2] تجھ کو انھوں نے کیوں ان کی خدمت کو مقرر کیا ہے ؟ خدا نے

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں فقرہ اس طرح ہے ''تو توان کو جان سے بھی چاہتی زیادہ ہے ''۔

۲۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''سو'' ہے ۔

تجھے یہ شکل شمائل دی ہے کہ کوئی حسن و ادا میں تیرے مقابل نہیں ۔ یہ نزاکت اور کامنی پن تیرا کہ لوگ چشم و دل اپنے تیری راہ میں فرش کرتے ہیں ، پاؤں تیرے اپنے سر پر دھرتے ہیں ۔ تیرا بدن اس محنت اور مشقت کے لائق نہیں ۔

سکھیوں نے جب ایسی باتیں کہیں سکنتلا نے جواب دیا ''میں آپ دل و جان سے پرورش کرتی ہوں ، آخر ایک دن اس کا پھل پاؤں ۔ جو کوئی چھاؤں میں انھوں کی آن کر بیٹھے گا مجھے یاد کرے گا ؛ منی کے کہنے سے خدمت ان کی نہیں کرتی ہوں بلکہ میں آپ دھیان ان پر دھرتی ہوں ، مجھ کو خود الفت ہے''۔ اور[1] ہرن کے چمڑے کی وہ انگیا جو چھاتیوں پر کسی ہوئی تھی اور پھول سے اس کے بدن میں گڑ گئی تھی ، جب ہاتھ سے کھولنے لگی نہ کھلی ، تب انسویا سے وہ بولی ''پریم ودا نے کس کر میری انگیا باندھی ہے ، ٹک تو اسے ڈھیلا کر دے ۔''

جوں اس نے بندوں کو ڈھیلا کر دیا ، پریم ودا کھسیا[2] کر اور جھنجلا کر بولی ''گھڑی گھڑی کی کھول موند کیا کریں ۔ جوانی کے زور سے بدن تیرا بڑھتا ہے اور ابھار چھاتیوں کا ہوتا جاتا ہے ۔ ہمارا گلہ تو کرتی رہتی ہے ، اپنی طرف نہیں دیکھتی کہ تیرا بدن کچھ کا کچھ ہوا جاتا ہے ۔''

یہ بات سن کر وہ نہایت شرمائی ، پھر آسی اپنے کام میں لگی ۔ تب ایک بھونرا پھول پر سے اڑ کر منہ پر منڈلانے لگا اور خوشبو پا کر اس کے نازک ہونٹھوں پر جو گلاب کی

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ہے :
''یہ کہا اور ہرن کے چمڑے ۔۔۔۔۔''
۲۔ فورٹ ولیم کالج کے انتخاب میں ''کھنسا'' ہے ۔

بتی سے تھے ، پھرتا تھا۔ وہ سسکیاں لے لے کر جھڑکتی تھی ، اڑ جاتا تھا ، پھر آ بیٹھتا تھا ؛ تب جھجک کر اور گھونگھٹ کرکے سکھیوں کی طرف دوڑی اور وہ بھونرا بھی گونجتا ساتھ ساتھ لگا رہا :

دیکھ کر بھونرا برنگ گل وہ اس کا روئے خوش
گرد تھا اور لے رہا تھا اس کی ہر دم بوئے خوش

راجا یہ تماشا دیکھ رہا تھا اور من ھی من میں بھونرے سے یہ کہا ”تیرے سے کہاں طالع میرے کہ اس کے گرد پھروں اور آن آن لب و دھن سے اس کے مزے لوں ! کش میں بھی تجھ سا ہوتا اور جو آرزو میرے دل کی ھے ، خاطر خواہ بر آتی اور تجھ کو دور سے بھی بوباس نہ لینے دیتا ۔ کیا کروں جو بے بال و پر ھوں ، اسی حسرت سے نقش پا کی طرح پامال ھوں ! تو اڑ کر پاس جاتا ھے ، گویا خوشی کی باتیں کہہ اس سے لگن لگاتا ھے ، وہ تجھے ناز و ادا سے جھڑک دیتی ھے اور خفا ھو ھو منہ پر گھونگھٹ لیتی ھے ۔ تو وھیں منڈلاتا پھرتا ھے اور اس کے ھونٹوں سے رس لیتا ھے ، ھم دور سے چھپ چھپ کر یہ رنگ دیکھ رھے ھیں ، آگے جاتے ھوئے خاطر نازک سے ڈر آتا ھے ۔ دھن تجھے ، ھم کس کام کاج کے ھیں ؟

ابیات

ترے سے کہاں ھیں ھمارے نصیب
یہ ممکن نہیں جا سکیں ھم قریب

کھڑے تکتے ہیں دور سے آن آن
ہر اک آن پر گو نکلتی ہے جان

قصہ کوتاہ اپنے دل کی باتیں رشک کے مارے کر رہا تھا اور وہ معشوقیت سے اس بھونرے کو بہ ہزار عشوہ و کرشمہ دور کر رہی تھی ، پر وہ اس کی بوباس پر پاس سے نہیں سرکتا تھا ۔ پھر کہنے لگی ''مجھے اس جنگل میں اس بھنور نے ستایا ۔'' پھر چلائی کہ سکھیو! تم میرے پاس آؤ ، اس بدبخت سے میرے تئیں چھڑاؤ ، یہ ہونٹھوں پر میرے منڈلاتا ہے ، ٹالے سے نہیں ٹلتا ، اس سے میرا بس نہیں چلتا ۔

سنتے ہی سکھیاں دوڑی گئیں اور یہ رنگ دیکھ ہنس ہنس کر کہنے لگیں کہ ہمیں تو نے ناحق بلایا ہے ، اس بیری سے ہم کیوں کر بچاویں ۔ راجا دشمنت سے فریاد کر ، وہ اس تپ بن کا رکھوالا ہے ۔

راجا کا نام سنتے ہی پکار اٹھی اور وہ آن درختوں سے نکل کر پاس آ کر کہنے لگا ''یہ کہو تمھیں کس نے ستایا ۔'' راجا کو دیکھتے ہی بن سول بک گیاں اور شرم کے مارے گھونگھٹ کرکے جھک جھک گئیں ۔ کچھ ڈریں گھبرائیں ، بے قراری سے ایک جگہ کھڑی نہ رہ سکیں ، حیرت سے آگے بھی پاؤں نہ پڑ سکا ، بھونچک[1] سی ہوگئیں ، کچھ بول نہ سکیں ۔

تب ان میں سے انسویا نے دل کرخت کر راجا کو جواب دیا کہ جس کی دہشت سے ظلم کا تو نام نہیں ہے اور عدل یہ ہے کہ گائے اور شیر ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں ، اس تپ بن میں شوق و ذوق سے تپسوی لوگ جب تپ کرتے ہیں ، کوئی درند

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''بھیچک'' ہے ۔

گزند نہیں دیتا ، کسی نے کسی کو آج تک نہیں ستایا ؛ یہ بھولی نادان ہے ، نادانی اور بھولے پن سے بھونرے کو دیکھ پکار اٹھی ؛ ہم اس کے راج میں نڈر ہیں ، کون ہمیں ستا سکے اور کون آنکھ دکھا سکے ؟

یہ سن کر راجا نے کچھ اپنے تئیں بتا[1] اور مسکرا اور سکنتلا کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ تمھارے نونہال درخت سرسبز اور ہرن کے بچے اچھے ہیں ؟

اتنی بات کے سنتے ہی اس کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے اور سارا بدن شرم کے مارے کانپنے لگا ۔ منہ سے کچھ بات نہ نکلی ، حیا کے مارے نیچے نظریں کر لیں ۔

تب انسویا نے آسی قرینے سے تھوڑا سا دریافت کر کے بہ خاطر داری اس کی طرف سے یہ کہا ''کیوں نہ ہو اب خیر ہماری جو تم سے نیک بخت رکھوالے ہوں ۔ تم جو[2] پاؤں پاؤں یہاں دوڑے آئے ہو ، پسینا تمھارے منہ پر آگیا ہے ، درختوں کی چھاؤں تلے دم لو ۔ ہم تمھارے ہاتھ پاؤں دھو دیں ۔ ہم نے قسمت سے تمھارے قدم دیکھے ، آج کے دن تم ہمارے مہمان ہو ۔''

سکنتلا سے کہا ''تو کیوں نادان بنی ہے ، ٹھنڈا پانی لا ، اس اپنے مہمان کو پلا ۔''

راجا نے مسکرا کر کہا ''ہمیں کچھ درکار نہیں ، تمھیں دیکھ کر ہمارا کلیجا ایسا ٹھنڈا ہوا کہ بھوک پیاس سب جاتی رہی ۔ تمھاری میٹھی میٹھی باتوں سے یہ ہم نے مزہ پایا کہ یہی ہماری

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''جتا'' ہے ۔

۲۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں 'جو' سے پہلے 'تم' بھی ہے جو زیادہ صحیح ہے ۔

مہانی تھی - تم بھی پانی سینچتی سینچتی تھک رہی ہو - سب مل کر ان درختوں کی چھاؤں میں بیٹھو اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لو۔''

تب ہنس کر انسویا سکنتلا کی طرف دیکھ کر بولی ''ہمارے یہاں انوٹھے مہمان آئے ہیں ، ان کا ڈر کچھ مت کر ، ان کی باتوں پر کان دھر ۔''

سکھیوں کی سن کر یہ باتیں ، حسن و ادا کی کر کر گھاتیں ، راجا اور سکنتلا چھاؤں میں درختوں کی بیٹھے۔ ایک کی طبیعت ایک کی طرف آئی ہوئی اور مہر و محبت دل میں سمائی ہوئی ، قسمت سے آن دونوں کی اس جنگل میں ملاقات ہوئی ، دونوں کی دل کی گرہ کھلنے لگی ، کیا اچھی بات ہوئی !

اشعار

گرہ جوں غنچہ ہر دل کی ہوئی وا
بہم دونوں گل و بلبل تھے گویا
وہاں بیٹھے جو تھے وہ خرم و شاد
بہم قید دو عالم سے تھے آزاد
نظارے میں تھا گو سر گرم دیدہ
ولے آپس میں تھا ہر اک ندیدہ

ایک ایک سکھی انھیں دیکھ دیکھ محو دیدار تھی ، بلکہ کام دیو اور رتی[1] سی کڑوڑ کڑوڑ ان پر وار کر آپ ان پر نثار تھی - ظاہر میں سکنتلا دزدیدہ نگاہوں اور نیچی نظروں سے راجا کو دیکھ رہی تھی؛ تب راجا نے ان سے یہ بات کہی '' تم تینوں کا بھلا سنجوگ

۱- انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''رت'' ہے -

ہوا ہے ؛ رنگ و روپ ایک سا ، عمریں برابر ، جانیں ایک ، بدن جدا جدا ہے ۔''

یہ راجا کی ان مول باتیں سن کر انسویا بولی ''دھن ہے اس دیس کو جہاں سے تم آئے ہو ! منیوں کی جگہوں[1] میں جو دیو خلل کرتے ہیں تم نے بچایا ۔ صاف کہو تم کون ہو ؟ دیو یا گندھرب یا کام دیو ہو ۔ کچھ تو ہمیں بتاؤ ، مہربانی کرکے ہمارے دل کی دبدھا مٹاؤ اور اپنا نام جتاؤ ۔''

راجا نے کہا ''ہمیں راجا دشمنت نے بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ رکھی لوگوں کی خدمت اور رکھوالی کیا کرو ۔ رات دن ہم تپ بن میں پھرتے ہیں ، راجا دشمنت کے چاکر ہیں ۔''

یہ بات کہہ کر راجا چپ رہا ۔ اگرچہ اس نے صاف اپنا نام نہ بتایا ، در پردہ یہ بات کہی پر انسویا کو یقین ہوا کہ راجا یہی ہے ؛ تب ہنس کر کہنے لگی ''اب منی سب نچنت ہوئے کہ اپنا رکھوالا اور خاوند[2] سر پر رکھتے ہیں ۔ تم جیسا رکھوالا جو سر پر آیا ، بھلا تم نے آکر ہمیں درشن[3] دکھایا ، ہم لوگوں کو نوازا ۔''

اس کی باتوں سے اس نے بہت مزا اٹھایا اور لذت پا کر اس سے اور دوسری سکھی سے کہا ''سکنتلا کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ۔ یہ جو ایسی نازک اندام ، قبول صورت ہے ، منی اس کی شادی کر دے گا یا صاحب کی بندگی کرا وے گا ؟ ریاضت کیوں کر ہوگی اس سے ، اٹھ نہ سکے بار نزاکت جس سے ۔''

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''جگیہ'' ہے ۔

۲۔ ''خاوند'' مالک اور آقا کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے ۔ یہ ''خداوند'' کا مخفف ہے ۔

۳۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''درسن'' ہے ۔

بیت

یہ ایسی نظر آئی نازک بدن
گرانی کرے جس پہ بوئے سمن

انسویا نے جواب دیا کہ منی نے اپنے دل میں ٹھانا ہے جیسی سکنتلا ہے ، جو کوئی ویسا ملے گا اور یہ بھی اسے قبول کرے گی ، اس سے ہم شادی کردیں گے :

شعر

بات جب یہ زبان پر آئی
وہ گل اندام سن کے شرمائی

راجا بولے ''سکنتلا جیسی ہے ویسا تو ملنا اس کا معلوم ، اس کا ثانی دنیا سے ہے معدوم ۔ جس گل بدن سے اس کے دل کا کنول کھلے گا ، ایسا باغ جہان میں بر کہاں سے ملے گا ۔ تمام ملکوں میں منی ڈھونڈھا کرے گا اور ساری عمر اسی آرزو میں مرے گا :

شعر

نہ پاوے گا کوئی ایسا جہاں میں
زمیں سے جائے گا گر آسماں میں

سکنتلا دکھ تنہائی کے سہے گی اور زندگی بھر بن بیاہی رہے گی ۔''

پھر انسویا ہنس کر اس شعور داری سے بولی اور اس کے غنچۂ دل سے گرہ کھولی کہ جب خدا اچھے دن لاتا ہے ، دل کا مقصد گھر بیٹھے ہی مل جاتا ہے ۔ تم جیسے لوگوں کا جب یہاں

قدم آیا ، کن کے من کا مطلب پورا ہوا۔

راجا یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور سکنتلا نہایت شرمائی۔ پریم ودا مسکرائی اور اس کے کان سے جا لگی۔ چپکے چپکے کہتی تھی ''تم آج ہی بیاہی جاتیں ، کیا کریں کن منی آج کے دن گھر نہیں۔'' وہ شرمائی جاتی تھی اور یہ باتیں ایسی ہی سنتی تھی ، ترچھی نظروں سے راجا کو دیکھ رہی تھی۔

راجا کی آنکھ سکنتلا سے اٹکی۔ وہاں فوج ڈھونڈھتی ہوئی جنگل میں بھولی بھٹکی۔ آخرش ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے سپہ کا وہاں گذر ہوا جہاں یوں بہم ناز و ادا کی فوجیں تل رہی تھیں اور آپس میں یہ رد و بدل ہو رہی تھی۔ فوج کے پرے کے پرے جب نزدیک آئے اور ہر ایک نے گھوڑے آدھر کو اٹھائے ، گرد زمین سے آسمان تلک گئی۔ شور چاروں طرف بلند ہوا ، جنگل کے جانوروں کو گھیرنے کو قراول دوڑے۔ اس طور سے اور اس طریق سے وہ سپاہ اس کی شکار کرتی ہوئی وہاں پہنچی۔ تپسوی لوگوں نے فریاد مچائی کہ اپنے اپنے جانوروں کی رکھوالی کرو۔ یہ شور و غل سن کر سکھیاں اپنے جی میں گھبرائیاں ، دل دھڑکنے لگے ، ہر ایک کا چہرہ پھول سا کملایا۔

راجا خوشی کی باتیں کرنے نہ پایا ، دل میں اپنے اس فوج کے آنے سے بہت رکا۔ انسویا دہشت کھا کر راجا سے بول اٹھی ''تم بیٹھو یا جاؤ ہمارا کلیجا تھرتھراتا ہے ، ہم اپنے مکان میں جاتیاں ہیں ، تم مہربانی کرکے ہمارے مکان میں آئیو[1]۔ تمہاری خدمت ہمیں لازم تھی سو ہم خدمت کیے بن رخصت ہوتی ہیں۔ یہ بات کہتے بھی ہمیں شرم آتی ہے۔ ہم سے رکاوٹ دل میں مت

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''آئیو'' ہے اور یہی صحیح ہے۔

کیجیو ، پھر ایک بار ہمیں درشن دیجیو ۔''

سکنتلا کو تھام اور ہاتھ میں ہاتھ لے کر وہاں سے گھر کو چلیاں ، جدائی سے دونوں کے دل میں بے کلیاں ہوگیاں ۔ وے آدھر چلیں اور راجا فوج کی طرف چلا ، جوں جوں وہ آگے جاتا تھا دل اس کا پیچھے رہا جاتا تھا :

شعر[1]

وہ جب پاؤں رکھتا تھا آگے بڑھا
کشش دل کی لاتی تھی پیچھے پھرا

ہر ہر قدم پر اس کا تو یہ حال تھا اور سکنتلا کا عجب احوال تھا ۔ اپنی کف پا سے جو برگ گل سے نازک تر تھی ، کانٹے نکالنے کے بہانے جا بجا ٹھہر جاتی تھی ، اور کبھی آنچل اس کا بے قراری سے جو خاک پر گرتا تھا ، کھڑی ہو ہو اور سنبھال سنبھال آپ کو اٹھاتی تھی ، اور کبھی بال سر کے جو آشفتہ سری سے منہ پر بکھر جاتے تھے ، سنبل کا سا دستا بنا کر اسی حیلے سے باندھ کر جوڑا آگے پاؤں بڑھاتی تھی ، کبھی نظریں بچا کر سکھیوں کے پیچھے پھر کر راجا کو دیکھ لیتی تھی :

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں اس شعر کو نثر کی صورت میں لکھا گیا ہے ، یعنی :

''پاؤں وہ جب رکھتا تھا آگے بڑھا ، دل کی کشش لاتی تھی پیچھے پھرا ۔''

شعر

اسی طرح ہر ہر قدم راہ تھی
کبھی نالہ تھا اور کبھی آہ تھی

یوں ہی لگن لگائے ہوئے وہ اپنے استھان میں گئی ، قالب میں گویا جان نہ تھی :

شعر

نہ تھا دن کو آرام ، نے شب کو خواب
شب و روز تھا اس کے جی کو عذاب

شرم کے مارے سکھیوں سے بھی نہ کچھ کہہ سکتی تھی ، دل کا درد دل ہی دل میں رکھتی تھی ۔ تیر کاری یا تیز کٹاری کلیجے پر لگے تو سورما سہتے ہیں پر نئی جدائی کا دکھ کسی سے سہا نہیں جاتا ۔ کون کہے سے بات یہ مانے ، جس پر بیتے وھی[۱] جانے ۔ جہاں وہ اکیلی جا کر بیٹھتی ، ساون کی سی جھڑی لگاتی ۔ اس کی یہ حالت تھی کہ سب رنگ بدن کا زرد تھا ، دل اور جگر میں درد تھا ۔ داغ سے سینہ سارا جلا تھا ، شور جنوں سے سر میں اٹھا تھا :

شعر

خون ناب جگر دیدۂ گریاں سے بہے تھا
اور نالۂ جاں سوز ہی دمساز رہے تھا

انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''سوھی'' ہے ۔

یہ آگ جو اس کے بدن میں لگ رہی تھی ، رو رو کر آنسو سے بجھاتی تھی - اس کا تو ہر دم یہی حال تھا اور راجا کا بھی عجب احوال تھا - دھیان میں وہ اس کے حیران رہتا تھا اور ایسا دم بخود تھا کہ کسی سے درد دل کا بھی نہیں کہتا تھا :

شعر

حسرت سے ہر اک سو وہ حیرت زدہ تکتا تھا
سکتے کا سا عالم تھا کچھ کہہ نہیں سکتا تھا

سکنتلا سے جو اس نے دل اٹکایا ، پل مارتے وہ راج اپنا سب جلایا[1] بھلایا - رات دن میں کل ایک دم بھی نہیں پڑتی تھی ، اسی کا دم بھرتا تھا - نئی لگن نے اسے گھر جانے نہ دیا ، تپ بن کے پاس ڈیرہ کیا - خاک پر سر اپنا پٹکتا تھا ، منی لوگوں سے ڈر کر بول نہیں سکتا تھا کہ کہیں یہ بد دعا نہ دیں - عشق کی آگ سے جلتا تھا اور دل میں اپنے کام دیو سے کہتا تھا ''تو بڑا کم بخت ہے ، نہایت بے انصافی تو نے یہاں آ کر کی - من سے تو اپجا اس لیے تیرا نام منوج ہے ، اس من کو تو کیا جلاتا ہے ؟''

اس طرح کام دیو سے گلہ کرکے ، چاندنی رات کا عالم دیکھ کے ، کہنے لگا ''وہ مہ پارہ مجھ سے جدا ہے - تو اے چاند ! اپنے جلوے دکھاتا ہے ، عاشقوں کو آتش حسرت سے جلاتا ہے ، ان کی آہ جاں سوز سے نہیں ڈرتا ؟ سمندر سے تیری پیدائش ہے ، کیوں دل میں تو آگ لگاتا ہے ؟ سمندر بھی تیری ان حرکتوں سے نہیں شرماتا ؟ دل میں تو جو جلن ڈالتا ہے ، یہ تیرا قصور نہیں بلکہ یہ گناہ راہو کا ہے جو تجھے نگل کر چھوڑ دیتا ہے - جو تجھے

۱- انتخاب فورٹ ولیم کالج میں صرف ''بھلایا'' ہے ''جلایا'' نہیں -

آب حیات کا چشمہ کہتے ہیں ، وے دیوانے ہیں ۔''

خیال میں اس کے بے قراری سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ کسی منی نے دو چیلے اس کے پاس بھیجے ۔ راجا نے سنتے ہی بلا لیا ۔ ان دونوں نے اسیس دی ۔ راجا نے ڈنڈوت[1] کر آؤ بھگت کی ۔ تب وے بولے ۔ ''بنا 'کن' بن سونا ہے ، ہمارے یہاں ہوم ہوتا ہے ، دیو آن کر خلل کرتے ہیں ۔ یہ عرض منیوں نے کی ہے ۔''

وہ آپ ادھر جانے کا ارادہ رکھتا تھا ، یہ بات سن کر بہت شاد ہوا اور خوشی خوشی تیروکمان ہاتھ میں لے تپ بن میں گیا ۔ رکھیوں[2] کی رکھوالی کرنے لگا ، بروگ اس کے دل میں سکنتلا کا بڑھا ، بن میں اسے ڈھونڈنے لگا ۔ از بس کہ گرمی کے دن تھے ۔ جب دوپہر کو سورج تپنے لگا ، اس کے دل میں یہ سوچ ہوا ''سکنتلا مدھو مالتی ندی کے کنارے اس کڑی دھوپ میں کھڑی ہوگی :

شعر

جب اس داغ سے اس کا سینہ جلا
نہ آئی اسے تاب آگے چلا

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جو اس طرف گزر ہوا ، دیکھا کہ تالابوں میں کنول پھول رہے ہیں ۔ ہر ہر پھول پر بھونرے منڈلاتے اور گونجتے ہیں :

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''دنڈوت'' ہے ۔ مرتب

۲۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''رکھوں'' ہے ۔

شعر

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چلی[1] ہے یہاں
جہاں تک کہ جائے نظر ہے سماں

مور بول رہے ہیں ، کوئل کوک رہی ہے ، درختوں کی گھنی گھنی ڈالیاں جھک جھک رہی ہیں ، گھڑی گھڑی چھاؤں چھا رہی ہے ، کنول کی پتیوں کی سیج بچھا کر سکنتلا لیٹی ہے ، پر وے تمام[2] کانٹے ہیں جو تلے بچھے ہیں ، ایک کروٹ اسے چین نہیں ، برہ[3] کے درد سے بے کلی ہے ، درد سر سے صندل ماتھے پر لگا ہے ، سکھیاں کنول کی پتیوں کا پنکھا بنا ہلاتیاں ہیں ۔ اگرچہ سخت بے تاب ہے پر نزاکت سے بہانہ کرتی ہے ۔ کبھی دھوپ کی تپش سے ، کبھی سموم کی شدت سے گلہ ہے ؛ سکھیوں سے تس پر بھی چھپاتی ہے ۔ بے کلی دل کی زبان پر نہیں لاتی ، کبھی کہتی ہے ''گرمی سے میرا عجب احوال ہے ، جنگل سے دل وحشت کرتا ہے اور جی میرا نہایت ڈرتا ہے ۔''

سکھیوں سے وہ یوں کہہ رہی تھی ۔ اتنے میں راجا آئے ، جدھر سے یہ صدا آتی تھی ، ادھر کان لگائے ۔ نگاہ جب اس پر کی دیکھا لباس بدن کا میلا ہے ، گریبان بہ رنگ گل سراسر چاک ، تن پر جمی ہوئی جنگل کی خاک ۔ لب خشک ، چشم تر ، اشک ارغوانی ، چہرہ زعفرانی ، بے تاب ، بے قرار ، پریشان خاطر ، عجب احوال سے نالہ و زاری کر رہی ہے ۔

راجا کے دل میں یہ آئی ''ابھی اسے دکھائی نہ دیجیے ، پہلے

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''چلے'' ہے ۔
۲۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''گویا تمام'' ہے ۔
۳۔ برہ ، یعنی جدائی ۔

اس کی سب باتیں سن لیجیے۔''

یہ کہہ کر گو کہ راجا ان درختوں کے اوجھل کھڑا تھا ، پر سکنتلا سکھیوں سے اپنے دل کی لاگ ظاہر نہ کرتی تھی ۔ انسویا نے شعور داری سے دریافت کرکے کہا ''جس دن سے وہ بن کا رکھوالا منہ دکھا کر پھر نہ آیا ، اسی دن سے ھنسنا بھول گئی اور دن رات اداس رہتی ھے ۔ ھر چند آتش ھجر سے جلتی ھے پر شرم کے مارے کچھ نہیں کہتی ۔''

پریم‌ودا اس کی یہ باتیں سن ، افسوس کر ، سکنتلا سے واشگاف[۱] بھید پوچھنے لگی کہ سوا ھمارے تمھارے یہاں کوئی اور نہیں ، ھم سے کیوں درد دل چھپایا ھے :

قطعہ

احوال دل زار کو لا اب تو زباں پر
باقی نہیں کچھ آئی ھے غافل تری جاں پر
بس جانے دے اب کام نہ تو شرم کو فرما
رکھ مہر خموشی نہ لب و کام و دھاں پر

گو کہ نہیں کہتی تو پر یہ چشم تر ، رنگ زرد اور آہ سرد جو تو دم بدم بھرتی ھے ، تمام آثار عشق کے ان طوروں سے ظاھر ھیں ۔ صاف اگر تو زبان سے بیان کرے تو شاید کچھ ھم سے تدبیر ھو ، اس کا ھم علاج کریں ۔ تیرا یہ رنگ دیکھ کر جان میں جان ھماری بھی نہیں ۔ دل گھبراتے ھیں ، ھوش و حواس آڑے جاتے ھیں ، رونا چلا آتا ھے ، دم نکلا جاتا ھے ۔ خدا کے واسطے نادان

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''بھید صاف صاف'' ھے ۔

مت ہو ، اپنے حسن و جوانی کو دیکھو ، کیوں خاک میں اپنے کو ملاتی ہے ؟

شعر

جو کچھ ہم کو کہنا تھا ہم نے کہا
نہ اک بار اب بلکہ وہ بارہا

ایک رو رو بلائیں لیتی تھی ، دوسری صدقے ہو ہو جاتی تھی ۔ دیکھ دیکھ ان کا منہ وہ آئینہ رو جو سراپا حیرت کی شکل بن گئی تھی ، دم سرد بھر کر کہنے لگی ''تم دونوں میری جان سے زیادہ عزیز ہو اور سر سے پاؤں تلک عقل و ہوش و تمیز ہو ۔ کیا کہوں میں اور کیا سنوں میں ؟ جو کچھ میری جان پر گزرتی ہے اسے خدا یا میرا دل ہی جانتا ہے ۔ ہر چند تم میرے دکھ کی شریک ہو لیکن اس واسطے نہیں کہتی کہ ایک تو میں آپ مرتی ہوں ، تس پر تم دونوں کو بھی کڑھاؤں :

گذرتی ہے جو کچھ گذرنے دو مجھ پر

یہ سنتے ہی انھوں نے اپنے گریبان چاک کیے اور خاک پر ہر ایک نے اپنے تئیں پٹک پٹک دیا اور کہنے لگیں ''ہماری زیست تیرے دم کے ساتھ ہے ۔ جب تیری یہ حالت ہوئی ، ہم جی کر کیا کریں گے ۔''

تب وہ اور بے حواس ہوئی ، چار و ناچار بیان کرنے لگی ''جب سے صورت دکھا کر گیا ہے وہ بن کا رکھوالا ، تب سے زخم جگر کا میرے ہے آلا ۔ کل ایک پل نہیں پڑتی دل کو ۔ بے کلی سے جان لبوں پر آ رہی ہے ، شکل اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں پڑی پھرتی ہے ۔ یا اسے کسی صورت سے دکھاؤ یا میری زیست سے ہاتھ اٹھاؤ ۔''

کچھ اور کہنے نہ پائی تھی کہ اشک کی آنکھوں میں یہ

طغیانی ہوئی، دم بند ہوگیا، ہچکی لگ گئی : مصرع

دم بخود ہوکے پھر ہوئی خاموش

سکھیوں نے اسے خاک سے اُٹھا، ہاتھ منہ دھلا، بہت دلاسا تسلی دے کر کہا ''سب آرزوئیں خاطر خواہ تیری ابھی بر آتی ہیں۔ اچھے وقت تو نے اپنے راز دل سے آگاہ کیا۔ وہ راجا، بن کا رکھوالا، جس کی چاہت سے تیری یہ حالت بنی ہے، اُسے نگہبانی کے لیے رکھنیوں نے بلوایا ہے۔ پھر وہ اس تپ بن میں آیا ہے اور اسے ہم نے دیکھا ہے کہ آثار تیرے عشق کے اس کے حالات[1] سے ظاہر ہیں، راہ گھر کی بھولا ہے، وحشت زدہ پھرتا ہے، نہ وہ رنگ و روپ، نہ وہ طرح طور ہے، سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔''

یہاں یہ باتیں ہوتیاں تھیں کہ وہ چھپا کھڑا سنتا تھا۔ دیدۂ حسرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہ معشوق عاشق مزاج اس طرح ناشاد خاطر بیٹھی ہے کہ اس کے مہتابی مکھڑے پر آہ کی ہوائیاں چھٹ رہی ہیں۔ سکھیاں اسے بہلا بہلا کہتیاں ہیں کہ ہمیں یہ تدبیر سوجھتی ہے کہ تم اسے اپنے ہاتھ سے خط لکھو، سب اپنے دل کی حالت جو گذرتی ہے، زبان قلم پر لاؤ۔ دیکھتے ہی خط کو اور مطلع ہو کر اس کے مضمون سراپا درد سے یہاں آوے گا۔ کام تغافل کو نہ فرماوے گا، اب ڈھیل اس میں مت کرو۔''

بہ ظاہر وہ شرمائی اور باطن میں خوش ہوئی۔ پھر سکھیوں سے کہا ''یہ بات بہت اچھی ہے، میرا بھی دل گواہی دیتا ہے، یہی کیا چاہیے، پر یہ ڈر ہے کہ اگر خط کو پڑھ کر تغافل کرے اور نہ آوے تو ہمیں حسرت سے اور اس غیرت سے جان ہی دینی پڑے۔''

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''اس کی حالت'' ہے۔

تب انسویا نے جواب دیا ''سکنتلا ! تو کیوں دیوانی ہوئی ہے جو ایسا خیال کرتی ہے - گھر میں کوئی دولت آئی ہوئی نہیں لیتا اور دروازہ بند کر دیتا ہے ؟ جسے ایک چاہے اُسے دوسرا کیوں کر نہ چاہے - تمھاری محبت کا جو راجا کو یقین ہووے گا[1] تو اپنی قسمت سرا ہے گا -''

وہ عاشق زار پھر کہنے لگی ''یہاں کاغذ و دوات و قلم کہاں ہے جو میں نامہ لکھوں -'' تب سکھیوں نے کہا ''کنول کی پنکھڑیوں پر خون دل سے لکھ کر پیک صبا کے ہاتھ جلدی روانہ کر -''

کنول کی پاتی اس نے لکھ کر بنائی اور سکھیوں کو پڑھ سنائی - انھوں نے جی لگا کر سنی - لکھا تھا :

''ہم کیا علاج کریں ، مہر تمھارے دل میں ذرا نہیں ، دل ہمارا نظروں ہی نظروں میں چرا لے گئے ، پھر دکھائی نہ دیے : سراپا تمھارا برگ گل سے بھی نازک تر برھما نے بنایا ہے ، ایسے بے درد اور سنگدل ہو !''

یہ احوال سکنتلا نے سکھیوں کو سنایا اور راجا درختوں سے نکل آیا - جلوہ اپنا دکھا کر سکنتلا سے بولا ''جنگل میں رات دن وحشی سا پھرتا ہوں ، تمھاری محبت سے گھر بار تج کر بن باسی بنا ہوں -''

جوں راجا ان کے پاس آ کر یہ باتیں کرنے لگا ، وے سب شاد ہوئیں - سکنتلا تعظیم کو اٹھنے لگی ، دبلاپے سے ناطاقت

۱- انتخاب فورٹ ولیم کالج اور نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء میں 'یقین' کو مونث استعمال کیا گیا ہے - عبارت اس طرح ہے : ''راجا کو یقین ہووے گی -''

دیکھ کر راجا بولے ''یہ جو حالت نظر آئی تمھاری ، معاف تمھیں تعظیم ہماری ، دیکھ کر یہ جلنا تمھارا ، سلگ گیا سب کلیجا ہمارا۔ ہاتھ لاؤ ! تمھاری نبض دیکھیں ، مرض دریافت کرکے تدبیر کریں ۔''

پریم ودا بولی ''اچھی ساعت تم آئے ، تم نے ہمارے سب دکھ بھلائے ، سکنتلا کا بھی کوئی درد نہ رہے گا ؛ دیکھو نبض اس کی اور جو علاج چاہو کرو ، دیکھیں ہم حکمت تمھاری ۔''

راجا مسکرا کر پاس جا بیٹھا اور سکنتلا بھی شرمائی ۔ دونوں کی ایک سی محبت دیکھ آنسویا راجا سے بولی ''گو کہ آج تمھیں اس کی چاہ ہے لیکن اس کا تمھارے ہاتھ نباہ ہے ۔ تم راجا ہو ، عورتیں تمھارے یہاں ان گنت ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی الفت دل سے بھلا دو ، اور یہ[1] جان واحد رکھتی ہے ، کوئی اس کا اتنا[2] مونس و غم خوار نہیں ۔ جو کبھی تم اس سے غافل ہو گے اور اس کی خاطر نہ کرو گے ، پھر اس کا کیا حال ہوگا ؟ کیوں کر اس کی زندگی ہو گی ؟''

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو رہی ۔

راجا نے کہا ''افسوس کہ میں نے اس کی خاطر یہ حالت اپنی بنائی لیکن تمھیں میری چاہت باور نہیں آئی ۔ تم بدگمانی سے میرے حق میں یہ باتیں کہتی ہو :

---

۱ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''یہ'' کا اضافہ ہے ۔

۲ ۔ فورٹ ولیم کالج کے انتجاب میں ''اتنا'' کی جگہ 'اپنا' ہے ۔

ابیات

نہ ہوگی کبھی کوئی مجھ سے وہ بات
جو کوئی کہے گا یہ کی اس نے گھات
کروں گا دل و جان اس پر فدا
رہے یاد تم کو یہ میرا کہا

"میں اس کے ہاتھ جب آپ بک گیا ، سب اس کی چیریاں ہوں گی ۔ جب سے میں نے اسے دیکھا ہے ہوش و قرار یک لخت جاتا رہا ہے ۔ گھر چھوڑ کر جنگل میں پھرتا ہوں ، اسی کا دھیان آٹھ پہر رہتا ہے ۔ میں اس کا دل و جان سے عاشق زار ہوں اور آن آن اس کے حسن و ادا پر نثار ہوں ۔ غلام اس کا جانو ، میری اس بات کو یقین مانو ۔"

انسویا بولی " راجا ! تم نے ہمارے دل کی اب دبدھا مٹا دی ، ہماری خاطر جمع ہوئی ۔"

بہت خوش ہوئیاں ، پھر ہنس کر انسویا نے پریم ودا سے کہا "ہرن کے بچے بھوکے ہوں گے اور اپنی ماؤں کی طرف حسرت سے تکتے ہوں گے ۔ اٹھ چل جلدی اے سکھی ! جو انھوں[۱] کی ماؤں سے انھیں ملا دیں ۔"

یہ چھل کر کے دونوں سکھیاں چلیں : تب خوف کھا کر سکنتلا بولی " تم خدا سے نہیں ڈرتیاں جو مجھے اکیلا چھوڑ کر جاتیاں ہو ۔"

وے کہنے لگیں " تم ایک گھڑی اپنے پی کے پاس اکیلی رہو اور اپنے اپنے من کی باتیں کہو ۔" یہ کہہ کر دونوں ٹل گیاں ، پھر سکنتلا بھی وہاں سے گھبرا کر اٹھی ۔

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں "ان کی" ہے ۔

راجا نے مسکرا کر اس کی بانہہ گہہ کر کہا " اس دوپہر کی گرمی میں سورج ایسا تپتا ھے جو پرند پر نہیں مار سکتے اور چرند بھی رکھوں کی چھاؤں میں سے باھر نہیں نکلتے ۔ تم اٹھ کر یہاں سے کہاں چلی ہو ۔ تمھیں میرے پاس سونپ گئیں ھیں جو تمھاری پیاری سکھیاں ھیں ۔ جو وے کاج کرتی تھیں مجھے فرماؤ ۔ کہو تو صندل گھس لاؤں ۔ تمھاری پیشانی پر لگاؤں ، کہو تو پنکھا ھلاوں ۔"

یہ کہہ کر راجا نے ڈھٹائی کی اور ھاتھ پکڑ کر سکنتلا کو بٹھایا ۔ چھاتی اس کی دھک دھک کرنے لگی ، ھاتھ لگانے سے اس کے بہت ڈری :

اشعار

خفا ہو کچھ اک پھر یہ[1] باتیں کہیں
مہاراج یہ تم کو لازم نہیں
مجھے مت چھوو دیکھو مانو کہا
نہیں خوب یہ اختلاط آپ کا

" باپ ھمارا گھر نہیں اور اب تلک بیاھی بھی نہیں گئی ۔ آنچل بھی نہیں گہا کسی نے میرا ، تمھیں آ کر اب کس خیال نے گھیرا :

---

۱ ۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں 'یے' ھے ۔

بیت

کرو در گزر ایسی باتوں سے تم
نہ پیش آؤ اس طرح گھاتوں سے تم

''باپ میرا جب گھر آوے گا ، تم سے میرا بیاہ کر دے گا ۔ کلنک مجھے مت لگاؤ ، میری بدنامی دھیان میں لاؤ ۔ نہ کروں گی سوا تمھارے شادی ۔ تمھیں میں پہلے ھی قبول کرچکی اور تمھارے عشق کی آگ میں سراسر پھکی ۔ جلدی کیوں کرتے ھو ، لوگوں کے طعنوں سے کیوں نہیں ڈرتے ۔''

وہ بولا ''راجوں کی کتنی کنواری لڑکیاں بر پا کر گندھروابیواہ کر بیاھی گئیں ، دنیا میں ان کی تعریف ہوتی ھے ۔'' پھر اپنے ھاتھ میں اس کا ھاتھ لےکر کہا '' آج سے ھم تمھارے ھو چکے اور تم ھاری ھوچکیں ۔ ھارا گندھرو بیواہ[1] ھوا ۔ کن منی کی دھشت دل میں کچھ مت کرو ؛ وہ بہت اچھا نپٹ سیانا ھے ۔ تیرتھ کر کے جب آوےگا ، یہ بات سن کر دل اس کا بہت سکھ پاوے گا ۔''

جب کام دیو نے راجا کو بے کل کیا ، کام کی باتوں سے اس کی حالت اور ھونے لگی ۔ سکنتلا شرمائی ، تب اس نے اُسے بھینچ کر ایسا گلے لگایا ، گویا وہ ایک جان اور ایک ھی قالب تھے ۔ حجاب کا پردہ درمیان سے اٹھا اور کام دل حاصل ھوا ۔ ادھر سے نیاز اُدھر سے طرز دشنام ، ادھر سے سوال بوسہ اور دل کا کام ، اُدھر سے ادا و ناز سے ھر آن سسکیاں ، ادھر سے اختلاط کی گرمیاں ۔ اس نے گلے میں ھاتھ ڈالا ، اُس نے جھڑک کر چھڑا دیا ۔

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ھوائیں اور درختوں کی گھری گھری

---

۱ ۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''گند ھرب بواہ'' ھے ۔

چھائیں کہ جہاں یہ چکور سا اُس چاند سے مکھڑے پر والہ تھا ، وہ کوئل سی کوک رہی تھی ، خوشیاں باہم ہو رہی تھیں ۔

اس رنگ رس میں شام ہونے کو آئی ، گوتمی ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے وہاں وارد ہوئی ۔ آواز اس کی سن کر سکھیاں دوڑی آئیں ۔ کہا ''راجا کو جلد رخصت کرو ۔'' سکنتلا نہایت ڈری ، راجا سے کہا ''کہیں تم ان درختوں میں چھپو ۔ بوا ہماری گوتمی یہاں اب آوے گی ، یہاں سے مجھے گھر کو لے جاوے گی ۔ مجھے پھر کب دیدار دکھاؤ گے ؟ اب کچھ نشانی اپنی دیتے جاؤ جو اسے ہم دیکھ کر تسلی دل کو دیں ۔''

جب یہ سکنتلا نے بات کہی ، راجا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، نشانی اسے اپنی انگوٹھی دی ۔ اتنے میں گوتمی پاس آئی ۔ آواز اس کے پاؤں کی سن کر راجا درختوں کی آڑ میں ہو گیا ۔ سکنتلا بہت رک کر سر منہ لپیٹ لیٹ رہی ۔

گوتمی نے اسے اٹھایا اور یہ پوچھنے لگی کہ تیرے دل کی گھبراہٹ گھٹی یا نہیں ؟ تب اس نے یہ بات کہی ''کچھ درد اور بڑھا ۔'' ہاتھ پکڑ کر اس کا[1] استھان کو لے چلی ۔ جب سکنتلا اپنے مکان میں گئی ، راجا کو دکھ کے سمندر میں تھاہ نہ ملی ۔ جس جگہ سکنتلا کے ساتھ مزے اٹھائے تھے ، وہ پھر وہاں آیا اور خالی سیج کنول کی پتیوں کی دیکھ خار جدائی دل میں کھٹکنے لگے ۔ برہ کی تپ سے جلنے لگا اور دل ہی دل میں یوں کہنے لگا ''کیا کروں ، کدھر جاؤں ، کیوں کر کل پڑے مجھے ، یہ دکھ اپنا کسے سناؤں ، پھر کس شکل سے اسے دیکھنے پاؤں ۔''

---

۱ ۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ہے: ''وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر استھان کو لے چلی ۔''

جیوں جیوں[1] وہ سیج سونی دیکھتا تھا تیوں تیوں[2] نیا درد دل دونا بڑھتا تھا ۔ ادھر راجا کے دل میں محبت نے غم بڑھایا ادھر سے منیوں نے یوں شور مچایا '' مہاراج نے کیوں ہماری سدھ بھلائی ، جدھر تدھر سے دیو دیتے ہیں دکھائی اور دیکھنے سے انھوں کی پرچھائیں ہمارے جگیہ[3] میں خلل پڑتا ہے ۔''

منیوں نے منت و زاری سے جب یہ بات کہی ، وہ بروگی جو راجا تھا ، سن کر وہاں دوڑا گیا : پھر اس بن میں رکھوالی کرنے لگا ۔

اور احوال سکنتلا کا سنو :

گوتمی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تو مکان میں لائی پر اس سے برہ کا درد بھاری نہ اٹھایا گیا ۔ سدھ بدھ اپنی بھلا دی ، سکھیوں کا ساتھ خوش نہ آیا ، اکیلی بیٹھ کر آنسوؤں کا مینہ برسایا اور بنا دیکھے اپنے پیتم کے ذرا بھی کل نہ پڑی ۔ ایک ایک گھڑی اس کو ایک ایک برس تھی ۔ از بس کہ وہ اس کی نظروں میں سمایا تھا ، تمام جہان آنکھوں میں سونا نظر آتا تھا ۔ جب کچھ ہوش میں آتی ، راجا کی انگوٹھی دیکھ کر پھر بے حواس ہوجاتی ۔ سونے مکان میں سر جھکائے ہوئے سوچ میں بیٹھی اور مانند نقش پا کے حیرت زدہ ہوکر نہ جاگہ سے ہلتی نہ کہیں اٹھتی ۔ اس نے پہاڑ دکھ سر پر اٹھایا ، جس طرح جان سے بدن خالی ہو ویسا حال بنایا :

---

۱ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'جوں جوں' ہے ۔

۲ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'توں توں' ہے ۔

۳ ۔ فورٹ ولیم کالج کے انتخاب میں 'جگیہ' ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ء میں 'جگینہ' ہے ۔

شعر

کروں اور کیا اس کی حالت رقم
کہ عاجز ہوئی یاں زبان قلم

وہ اسی تصور میں اپنی جان لگائے بیٹھی تھی کہ درباسا ایک رکھی[1] وھاں آیا ۔ دیکھا اس نے کہ یہ من مارے کسی کے دھیان میں مردے کی حالت بنائے بیٹھی ھے :

شعر

خبر دین و دنیا کی رکھتی نہیں
ھوا کیا خدا جانے اس کے تئیں

تحقیق کہ اس کی یہی صورت تھی ۔ نہ رکھی[2] کے آنے سے اسے آگاھی ھوئی ، نہ آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا کہ یہ کون ھے اور کہاں سے آیا ھے ۔ نہ بستر بیٹھنے کو دیا ، نہ کچھ تعظیم و تواضع کی ۔ وہ دل میں اپنے بہت رکا اور خفا ھوکر ھاتھ اٹھا کر یوں سراپا کہ سراپا تیرا آتش عشق سے جلے گا اور جس کے دھیان میں تو بیٹھی ھے ، وہ تیری خبر نہ لے گا ۔

یہ سراپ دے کر رکھی[3] تو وھاں سے چلا ، پر اس محو خیال جاناں نے نہ جانا کہ وہ کب آیا تھا اور کب گیا ۔ بد دعا اس کی سن کر دونوں سکھیاں دوڑیاں اور جلد درباسا منی کے پاس آئیاں ۔ انھوں کے دل میں اس کے سراپنے سے بڑا ڈر ھوا ۔

از بس کہ انھوں کو سکنتلا سے محبت نہایت تھی ، سمجھ بوجھ کر

---

۱ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'رکھ' ھے ۔
۲ ، ۳ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں 'رکھ' ھے ۔

منت و زاری بہت کی ، پاؤں پرگر پڑیاں ۔ هاتھوں کو جوڑ کر بولیاں ''اتنا غصہ تمھارے لائق نہیں ، اور یہ جو اس کی تقصیر ہے اسے معاف کرو ۔ تم دریا کرم کے ہو ، اس پر مہربانی کرو ۔ آسے بد دعا جو کی ہے ، بدلے اس کے نیک دعا دو ۔ یہ عاجزی ہماری قبول ہو ، جیسی یہ کن کی بیٹی ہے ویسی تمھاری ہے ۔''

دونوں سکھیوں نے جب یہ باتیں کہیں ، دربا سا کو ان کی منت کرنے سے رحم آیا ۔ کہا کہ جو انگوٹھی راجا اسے دے گیا ہے ، جب وہ اسے دیکھے گا تب اسے یاد کرے گا ۔

یہ کہہ کر اس دعائے بد کو رد کر کے وہ چلا گیا ۔ سکھیاں خوش ہوئیاں ، پھر آپس میں بولیاں ''جو کچھ منی نے اس کے حال سے خبر دی ہے جھوٹ نہ ہوگی ۔ اس سے کسی طرح انگوٹھی لیا چاہیے کہ کہیں کھو نہ دے ۔ وہ راجا کی یاد میں بے اختیار ہوگی ، تب اسے ہم دکھادیں گے ۔ اس بھید سے ہمیں تمھیں واقف ہیں ، آسے ظاہر مت کرو ، آسے اور غم ہوگا ، کسی طرح جیتی نہ رہے گی ۔''

یہ آپس میں باتیں کر کے سکنتلا کے پاس آئیں ، دیکھا کہ فراق نے اس کی یہ صورت بنائی ہے ؛ نہ کچھ آنکھوں سے سوجھتا ہے ، نہ کچھ کانوں سے سنتی ہے ، بے خود تصویر کی شکل ہو گئی ہے ؛ اس طرح سے اس کی اوقات گزرتی ہے :

اشعار

نہ وہ نور سے دن کے آگاہ ہے
تصور میں اس کے وہی ماہ ہے

نہ کچھ شب کی تاریکی پر ہے نظر
وہی شکل ہے دھیان میں جلوہ گر

اگرچہ اس نے اپنی یہ حالت بتائی پر راجا کو اس کی کچھ یاد بھی نہ آئی - منیوں نے اسے رخصت گھر کو کر دیا تھا - وہ اپنے راج میں مشغول تھا - درباسا رکھی کی بد دعا نے ایسی تاثیر کی تھی کہ راجا نے اس کی سرت بھلا دی -

کئی[1] دنوں سکنتلا نے اسی طرح مصیبت کاٹی ، پھر حمل نمود ہوا - نہ اسے کچھ بھاتا تھا نہ کچھ خوش آتا تھا ، دن بدن سوکھی جاتی تھی ، بدن سارا زرد ہوا جاتا تھا ، نقاہت اور سستی غالب ہوتی تھی - پچھلی باتیں یاد کرکے رو رو کہتی تھی کہ راجا تو نے ہماری الفت بھلائی ، جا کر اور کسی سے آنکھ لگائی -

اس حالت میں یکا یک تیرتھ نہا کر کن منی آن پہنچے اور وہ انہیں دیکھ کر حمل کے سبب نہایت شرمائی - اور منی جب ہوم، کرنے لگا ، آگ میں سے تب یہ آواز آئی کہ یہاں راجا دشمنت آیا ، سکنتلا سے کندھرو بیواہ[2] کر لیا ، اسی دن سے اسے پیٹ رہا - آگ سے یہ صدا سن کے منی دل میں بہت خوش ہوا اور وہ جب ہوم کر چکا ، سکنتلا کو بلایا - سر سے پاؤں تلک لجائے ہوئے اور نہوڑائی[3] ہوئی وہ آئی - منی نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور بہت سراہا ؛ پھر کہنے لگا ''تو نے مجھے اس سے بہت خوش کیا اور

---

۱ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''کچھ'' ہے -
۲ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''گندھرو بواہ'' ہے - یہی لفظ اس سے پہلے ''گندھرب بواہ'' کی صورت میں گذر چکا ہے -
۳ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''نہوڑائے ہوئے'' ہے -

بڑی فراغت بخشی کہ جہاں میں تیری شادی کیا چاہتا تھا وہیں تو نے گندھرو بیواہ کیا ، اب بن میں اکیلا رہوں گا ۔ صبح تجھے مسرال بھیجوں گا ۔''

وہ شرمائی اور سکھیاں بہت اداس ہوئیں ۔ سکنتلا سکھیوں کے چہرے اس غم سے اترے ہوئے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی ۔

اتنے میں رات تمام ہوئی اور دن نکلا ۔ اسے نہلایا دھلایا اور جتنی رکھیوں کی عورتیں تھیں ملنے کو آئیاں ، گھیرے ہوئے بیٹھیاں ، اسیس اسے دیتی تھیں کہ تم اپنے دولھے کی پیاری رہو ، دیکھ دیکھ سوتیں تمھاری ڈاہ کی آگ میں جلتی رہیں ، تم سکھ کے مندر میں ہمیشہ بسیو !

ایسی ایسی پیاری اخلاص کی باتیں کہہ ، دعائیں دے اور بلائیں لے کر رخصت ہو ہو اپنے اپنے مکان کو گئیاں ۔ سوا ان دونوں سکھیوں کے سکنتلا کے پاس اور کوئی نہ رہا ۔ گوتمی اور وہی دو سکھیاں کام خدمت اس کی بجا لاتیاں تھیں ۔

جدائی کی کوئی دم میں جو گھڑی ہوا چاہتی تھی ، یہ سوچ کر سکنتلا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۔ تب گوتمی نے پیار محبت سے اپنی گود میں بٹھا ، کنگھی کر ، مانگ نکال ، زلفیں بنا ، چوٹی گوندھی اور سکھیوں نے پھولوں کے ہار ڈال ، بدی[1] پہنائی اور کہنے لگیاں ''کس سے کہیں ، کہاں سے لاویں ، جو بنا سنوار گہنا اسے سر سے پاؤں تلک پہنادیں ۔'' اس ناداری سے آنسو آنکھوں میں بھر آئے ۔

سکھیوں پر یہ حالت تھی کہ دو لڑکے کسی منی کے آئے ،

---

۱ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''بدھی'' ہے ۔

کہا کہ ہم خاصے خاصے اور اچھے اچھے گہنے اور سنگھار کی چیزیں لائے ۔ اور آگے رکھ کر کہا کہ کچھ سوچ مت کرو ، اسے پہناؤ۔

سکھیاں بہت خوش ہوئیاں ۔ کہا کہ یہ کہاں سے آیا ۔ ان کواچنبھے میں دیکھ کر چیلوں نے ظاہر کیا ''ہمیں کن منی نے بھیجا تھا کہ تم بن میں جا کر سکنتلا کے لیے پھول پھل توڑ لاؤ۔ ہم جو گئے تو وہاں اور ہی گت دیکھی ۔ معلوم ہوا کہ یہ گرو کا تصرف ہے کہ کہیں سندور ، کہیں کاجل پایا ، کہیں مہاوڑ [1] اور پان پائے اور بن دیوتوں نے درختوں سے ہاتھ نکال گہنا کپڑے ہمیں دیے ۔''

گوتمی نے شگون [2] نیک ٹھہرا ، وے سوہے سوہے چٹکیلے کپڑے اور گہنا پہنایا ۔ سکھیوں نے مانگ میں سیندرو بھر ، کاجل آنکھوں میں دے ، پاؤں میں مہاوڑ لگا ، پان کھلائے ۔ اس رنگ سے بنی بنائی ۔

جب تلک اور سنگھار سکھیوں نے کیا تب تلک کن منی آیا ۔ سکنتلا جدائی کے غم سے جو بے تابی و بےقراری کر رہی تھی ، دیکھ کر اسے بہت گھبرایا ۔ جی رندہ [3] گیا ، آنکھوں میں آنسو بھر لایا ۔ خاطر ناشاد سے کہنے لگا ''تن من بے چین ہے ، یہ دکھ سہا جاتا نہیں اور اب بغیر اس کے بن میں رہا جاتا نہیں ۔ اسے بھی میری مفارقت سے تاب نہیں ، شرم سے کچھ بول نہیں سکتی،

---

۱ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ہے : ''کہیں مہاوڑ پان پائے ۔''

۲ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم میں ''شگن'' ہے ۔

۳ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''روندہ'' ہے ۔

عجب سوچ میں ششدر کھڑی ہے ، جی نہیں سنبھلتا ، آنسو آنکھوں سے جاری ہیں ، اس طرح سسرال کو چلی ہے ۔ اس کی جدائی سے میرے بن باسیوں کو یہ غم ہوا ہے جیسے دنیاداروں کو مصیبت ہوتی ہے ۔''

منی اس کی الفت سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ سکنتلا باپ کا یہ حال دیکھ کر بے اختیار ہو رونے لگی ۔

منی نے پیار سے آنسو پونچھ کر اسے گلے سے لگایا اور اتنی بات زبان پر لایا ''بس اب مت رو ، جی کو اپنے بے تاب ہو کر مت کھو ۔ تیرا اس دم رونا ٹھیک نہیں ۔'' پھر کہا ''گوتمی تو اسے کیوں نہیں سمجھاتی ؟ یہ جو رو رہی ہے اسے منع کر ۔ یہ اچھی ساعت ہے ، ابھی اسے ساتھ لے کر جا ۔'' پھر اپنے دو چیلوں کو بھی بلا ، سکنتلا کے ساتھ جانے کو مقرر کیا ۔

گوتمی نے دلاسا دلبری سے سمجھایا اور آپ بھی ساتھ ہوئی آنسو آنکھوں سے پونچھتی اور ہچکیاں لیتی ہوئی سسرال کو چلی ۔

تب سب جنگل کے درختوں اور جانوروں سے منی نے پکار پکار کہا ''تمھارے پھولنے سے یہ خوش ہوتی تھی اور بے کلی سب جاتی رہتی تھی ۔ جب تلک تمھیں یہ نہ سینچتی تھی ، پانی بھی نہ پیتی ، کیاریاں اور تھالے دن بھر بناتی ۔ جو اس طرح تمھاری خدمت کرتی تھی ، سنو ! اب وہ سسرال چلی ہے ۔''

جب منی نے درختوں سے یہ بات کہی ، تب درختوں پر کویلوں نے کوک مچائی ۔ وے جو کوکتی تھیں گویا درخت نالہ و زاری کرتے تھے ۔ یہ شورش اور اپنے ان درختوں کو دیکھ دیکھ وہ آنسو بھر لاتی تھی اور سکھیوں سے کہتی چلی جاتی تھی ''اگرچہ راجا کی الفت میرے دل میں ہے پر اس بن کی بھی ہوا میرے اجی سے جاتی نہیں ۔ اپنے ہاتھوں کے درخت لگائے ہوئے دیکھ کر

چھاتی بھری آتی ہے - میں تو چلی پر انھیں تمھیں سونپے جاتی ہوں ۔''

رو رو کر سکھیاں بول اٹھیاں ''تو ہمیں کس لیے سونپے جاتی ہے - ان درختوں کو بن تیرے کون دیکھے گا اور کسے حواس آویں گے ۔'' نالہ و زاری آپس میں ہوتی تھی اور سکھیوں کی چاہت سے رو رو کر جان اپنی کھوتی تھی کہ منی نے پھر اسے سمجھایا : تب سکنتلا نے آگے پاؤں بڑھایا ۔

جدائی سے اس کی بن نے خاک اڑائی - مور ناچنا بھولے ، ہرنوں نے سبزے کا پھرنا چرنا چھوڑا ، چکروں نے ادھر سے منہ موڑا ، پرندوں کے ہوش اڑے ، بھونرے گونجنا بھولے اور جتنے جانور تھے ، سبھوں پر اس بن میں اداسی چھا گئی ، جنگل کے رہنے ہاروں کو بے حواسی آ گئی ۔

جب وہ کوس ایک وہاں سے آگے بڑھی ، تب منی نے یہ بات کہی ''دن بہت چڑھ گیا ہے ، اب یہاں سے اسے رخصت کرواور تم اپنے اپنے گھر پھر چلو - جو کچھ سمجھانا ہے اب یہیں سمجھاؤ ، آگے جانا مناسب نہیں ۔''

شعر

کسی کو جدائی گوارا نہ تھی
قلق سے ہر اک کا نکلتا تھا جی

منی نے سنبھال سنبھال سبھوں کو وہاں رکھا - پھر اپنے چیلوں سے کہا ''راجا دشمنت کو سمجھا کر ہمارا سندیسا دیجیو - ہم تمھارے پوجنے کے لائق ہیں اور تم ہمارے سبوک[۱] ہو - سکنتلا

---

۱ نسخہ مطبوعہ نول کشور (۱۸۷۵ء) میں لفظ ''سبوک'' نہیں ہے ۔

ہماری بیٹی ہے ، اسے جی سے پیاری جاننا ۔ ہمیں تم نے مکان میں نہ آنے دیا ، آپ ہی شادی کر لی ۔ اب ایسا کیجیو جو سکنتلا آرام سے رہے ، کیوں کہ اس کی بے چینی سے ہمیں چین نہ ہو گا ۔"

راجا کو یہ پیغام دے کر سکنتلا کے تئیں نصیحت کرنے لگا : "ساس نند کی خدمت کرنا ، خاوند کے اخلاص میں ان کی فرماں برداری نہ بھولنا ، سوتوں میں ہلی ملی رہنا ، اپنا بھید کبھی نہ کہنا ، اپنی قسمت پر مغرور نہ ہوجیو ، خاوند کے حکم میں رہیو ، ایسا کام کیجیو جو گھر باہر کے لوگ تجھے نیک بخت کہیں ۔ میں نے جو یہ نصیحت کی ہے اسے دل سے یاد رکھنا ۔ ہمیں اب رخصت دے ، ہم اپنے بن کو جاویں اور سکھیوں کو بھی وداع کر ، گوتمی کو ساتھ لے ۔"

وہ اتنا سن کر منی کے گلے سے لگ رونے لگی ؛ تب اس نے دلاسا دے رخصت کیا ۔ پھر سکھیوں سے مل کر روئی ۔ تب انھیں سراپ درباسا منی کا یاد آیا ۔ انسویا نے چترائی سے کہا "راجوں کو راج کاج کے سبب یاد بہت کم رہتی ہے اور مدت بھی گذری ، شاید وہ یاد تیری بھول گیا ہو ۔ انگوٹھی جو تجھے دے گیا ہے ، اسی کو تو راجا کو دکھانا ، وہ اپنی نشانی دیکھ کر بھولی الفت یاد کرے گا ، پر اس انگوٹھی کی بہت سی خبرداری کرنا ایسا نہ ہو کہیں گر جائے ۔"

یہ سن کر سکنتلا سن ہو گئی ۔ پھر سکھیوں سے کہا "تم نے جو مجھے یہ بات سنائی اس کا بھید میں نہیں پاتی ۔ تم نے بات بہت بے ڈھب کہی ، میرا دل دھڑکتا ہے ۔"

سکھیوں نے کہا "دیکھ دوپہر دن آیا ہے ، ہمیں رخصت کر ، تو بھی آگے پاؤں دھر ۔"

گوتمی اور وے دونوں چیلے رکھی[1] کے ساتھ ساتھ گئے ، یہ سب گھر کو پھر آئے ، پیچھے پھر پھر دونوں طرف سے آپس میں دیکھتے جاتے تھے ۔

سکھیاں کہتی آئیاں[2] ''ہمیں اس بنا بن سونا دکھائی دیتا ہے ۔'' ہاتھوں کو مل کر پھر یوں بولیں ''اب سکنتلا دکھائی نہیں دیتی ۔''

اس طرح منی تو سکھیوں کو لے مکان میں آیا اور سکنتلا جب آگے گئی ، ایک تالاب راہ میں دیکھا ؛ پیاس کی شدت سے تالاب کے کنارے گئی ، پانی پی کر پیاس بجھائی ، پر ایک پل میں بڑا غضب ہوا کہ انگوٹھی انگلی میں سے نکل کر پانی میں گر پڑی اور اسے کچھ سدھ نہ رہی ۔

وہاں سے اٹھ کر دونوں چیلوں کے ساتھ ساتھ راجا کے یہاں پہنچی ۔ وہ خلوت میں تھا ، ڈیوڑھی پر جا کر چیلوں نے خبر دی ۔ خوجوں نے ان کی زبانی عرض کی کہ مہاراج ! کن منی نے دو چیلے بھیجے ہیں اور ساتھ ان کے دو عورتیں کر دیں ہیں ۔ ایک جو ان میں جوان ہے ، سو آپ کے لیے نذر ہے ۔

نام عورتوں کا سن کے راجا کو[3] اچنبھا آیا ۔ بہت فکر و اندیشے میں گیا اور دیوان عام میں نکل آیا ۔ منی کے چیلوں کو بلایا ۔ آگے چیلے پیچھے گوتمی ، تس پیچھے سکنتلا ۔ اس طرح سب کے سب آئے ۔

راجا نے بڑی عزت سے پاس بلایا ۔ اور سکنتلا شرم سے گویا

---

۱ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں میں ''رکھ'' ۔

۲ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''کہتی آئیاں'' ہے ۔

انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''راجا کو'' نہیں ہے ۔

زمین میں گڑی جارھی تھی ، پر گھونگھٹ کیے کھڑی تھی ۔ کم بختی جو آئی تو دھنی آنکھ اس کی پھڑ کنے لگی ۔ وسواس اس کے دل میں ھوا کہ خدا خیر کرے ، دیکھوں کیا ھوتا ھے ۔ اس بد شگونی سے اس کا دل بہت کڑھا ۔

جب غور کرکے سکنتلا کو راجا دیکھنے لگا ، ایک تعجب سا اسے ھوا ۔ اپنے دل میں کہا '' یہ کون ھے اور کہاں سے آئی ! منیوں نے بن میں کیوں کر پائی ! سمجھا نہیں جاتا ! اسے یہاں کیوں لائے !

یہ بچار راجا نے جب اپنے دل میں کیا ، تب منی کے چیلوں نے اشیر باد دیا ۔ راجا نے مسند سے اتر کر انھیں ڈنڈوت کی اور سب کام اپنے چھوڑ کر انھوں سے خیر و عافیت پوچھی ۔ کہا ''تمھارے بن باسیوں کی کیا خبر ھے ؟ تمھارے گرو بھلے چنگے ھیں ؟''

وے چترائی کر کے بولے ''مہاراج کے راج میں ایسا دکھ کا نام نہ رھا جیسے سورج کی روشنی سے اندھیرا جاتا رھے ۔ جن کی دعا سے لوگ ھمیشہ سلامت رھیں ، ان رکھیوں کی کھیم کسل ھم کیا کہیں ۔ مہاراج کے پاس ھم آئے ھیں ، یہ سندیسا گرو کا لائے ھیں : ''جانی ھم نے سب محبت تمھاری ، اور سکنتلا ھے یہ بیٹی ھماری ۔ جو گندھرو بیواہ تم نے یہاں کیا ، یہ سن کر ھم نے برا نہیں مانا ۔ مہاراج میں جتنے گن ھیں اتنے ھی سکنتلا میں بھی ھیں ۔ ھمارا جی بہت سکھ پایا[1] ، خدا نے بھلا سنجوگ بنایا ۔ اور یہ پیٹ سے ھے ، سن کر جلد یہاں بھیجا ۔ سکنتلا کو اپنے پاس

---

۱ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں یہ جملہ اس طرح ھے ''ھمارے جی نے بہت سکھ پایا ۔''

رکھیو'' ہم نے منی کا سندیسا کہہ دیا ، سکنتلا کو ہم نے یہاں پہنچایا ، ہمیں اب رخصت کرو ۔''

درباسا منی کے سراپ سے راجا تو اس کی طرف سے غافل تھا ، کہنے لگا ''تم منی کے چیلے بڑے چترے ، یے کیا باتیں کہتے ہو ۔ سکنتلا سے کس نے شادی کی ھے ، میں اسے نہیں جانتا ۔''

یہ باتیں اس سے سن کر چیلے تو بہت خفا ہوئے اور سکنتلا بے حواس ہو دل میں کانپنے لگی ۔ راجا کی بے دھرمی سے دونوں چیلے رک کر بولے ''مہاراج ! کچھ تم دھرم کو جانو ، ایسا خیال فاسد دل میں مت لاؤ ؛ تب تو بیاہ کیا ، چھل کی کر گھاتیں ، اب تم کہنے لگے یہ باتیں ۔ سچ ھے کہ راجا وھی کرتے ھیں کہ جو ان کے جی میں آتا ھے ، اور کسی کا درد نہیں جانتے ۔''

یہ کہہ کر چیلے چپ رھے اور گوتمی گھبرا کر سکنتلا کو سمجھانے لگی ''ایک دم شرم کو چھوڑ راجا کو منہ دکھا ، تیرا منہ دیکھ کر اسے سدھ آوے گی ۔''

یہ کہہ کر سکنتلا کا گھونگھٹ کھلوایا ، راجا کو اس کا منہ دکھایا ۔ دیکھ کر تب بھی اس نے ھاں ناہ کچھ نہ کی ، حیرت زدہ سا رہ گیا ۔ تب منی کے چیلوں نے جھنجھلا کر کہا ''مہاراج ! کچھ دل میں سوچو ، سمجھ بوجھ کر ھمیں جواب دو ۔''

راجا بولے ''میں نے بہت دیر تک غور سے نظر کی ۔ جاگتے تو معلوم مگر خواب میں بھی کبھی شکل اس کی نہیں دیکھی ۔ میرے اس کے جو تم لگن لگاتے ھو کیوں ناحق کلنک چڑھاتے ھو ؟ حمل سے یہ عورت کسی اور کے ھے ، اپنے گھر میں رانی بنا کر کیوں کر رکھوں ؟''

وے دونوں چیلے آتش غضب میں جلے ۔ پھر راجا سے یوں کہنے لگے ''ایسی باتیں جو تم زبان پر لاتے ھو ، منی لوگوں کا

خوف دل میں نہیں کرتے ؟ کن مہا منی جب خفا ہوگا، تمھارا احوال کیا ہوگا۔'' ان باتوں سے راجا کو ڈرا کر بہت غصہ کر کے سکنتلا سے بولے ''تب کسی سے تو نے نہ پوچھا ، آپ ہی گندھرو بیواہ کیا ، جیسا کیا اس کا ویسا مزہ چکھا ، منہ اپنا کھول ، راجا سے کچھ بول ۔''

شرم کا پردہ رخ سے اٹھا کر وہ بولی ''مہاراج ! یہ ریت کیا ہے ، اس میں بڑا ظلم ہوتا ہے ، تمھارے ہاتھ کیا آوے گا ؟ کس لیے مجھے عیب لگاتے ہو ؟ تب تو پہلے ہم نے تمھیں ایسا نہ جانا تھا ، جو کچھ تم نے کہا سب ہم نے مانا ۔ تب ویسی چھل کی کر گھاتیں اب تم کہتے ہو کیا یہ باتیں ۔ رخصت ہوتے تم نے دی تھی انگوٹھی ، اس سے میں نہیں ہوں تمھارے آگے جھوٹھی ۔ اور آگے کیا بھید بتاؤں ، کہو تو وہی انگوٹھی دکھاؤں ۔''

سکنتلا یہ کہہ کر چپ رہی ۔

راجا نے پھر یوں بات کہی ''یہ تم نے بات بناؤ کی کی ، اب تک کیوں نہ انگوٹھی دی ۔ جو میں انگوٹھی اپنی دیکھوں تو تمھیں سچا جانوں ۔''

تب اس نے گھبرا کر نگاہ کی ، انگوٹھی ہاتھ میں نہ پائی ، رنگ چہرے کا زرد ہوا ، بے قرار ہو کر ہائے ہائے مچائی ۔ وہ حیرت سے گوتمی کی طرف دیکھنے لگا ، سکنتلا تب شرمندہ ہوئی ۔

راجا نے ہنس کر یہ بات کہی ''تریا چرتر ہم کانوں سے سنتے تھے سو آنکھوں دیکھا ۔ میں نے تجھے کب دی تھی انگوٹھی ؟ ایسی بات کیوں کہتی ہے جھوٹھی ۔ غیر رنڈی[1] سے ہم نے

---

۱ ۔ رنڈی بہ معنی ''عورت'' ۔

کبھی ملاقات نہیں کی ، تمھارا فن[1] یہاں نہ چلے گا ۔''

جب وہ راجا کے دل سے یوں بھولی تب جھنجھلا کر یوں بولی کہ قسمت نے مجھ کو برا دن دکھایا ، جس طرح سے چاہا ناچ نچایا ۔ نہیں ہے انگوٹھی کیا میں دکھاؤں ، کہو تو کچھ اور بھید بتاؤں ۔ ہم تم جو بن میں باتیں چاہت کی کر رہے تھے اور کیا کیا آھیں[2] دل میں بھر رہے تھے ۔ جو ایک ہرن کا بچہ وہاں آیا ، تم نے اسے کس کس پیار سے بلایا ۔ جب وہ وحشی بھاگا رم کر کے ، پاس نہ آیا پھر وہاں ڈر کے ۔ جب میں نے اسے بلایا تب وہ دوڑا آیا ۔ تم نے ھنس کر کہا مجھ کو ، تم دونوں بن باسی ہو ۔ ھرن کا بچہ رھتا ہے ساتھ تمھارے ، بھاگے ہے یہ سائے سے ھارے ۔ یہ کہہ کر تم نے ھنسی مچائی ، اب وہ سدھ بدھ سب بھلائی ۔''

یہ سن کر بھی اسے کچھ یاد نہ آیا ۔ ایسی ھی باتیں پھر وہ زبان پر لایا کہ دغا سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے رنڈی دل مردوں کا چھین لیتی ہے ۔ ایسی باتیں کر رہی ہے گویا جھوٹ کہیں چھو نہیں گیا !۔

تب خفا ہو کر گوتمی نے کہا ''مہاراج ! تم ٹھٹھول ہو ، ہم بن باسی ھیں ، باتیں بنا کیا جانیں ۔ کپٹ کہاں سیکھی ہم نے بن میں ، دغا ھوتی ہے راجوں کے من میں ۔''

یہ کہہ کر گوتمی چپ رہی ۔ پھر راجا بولا ''عقل سبھاؤ سے ھوتی ہے ۔ کوئل چترائی کر کے انڈے کوے کی جھونجھ[3] میں دے آتی ہے ۔ جب وہ سیتا ہے اور بچے نکل کر بڑے ھوتے ھیں ،

---

۱ ۔ 'فن' بہ معنی مکر ۔
۲ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''اماھے'' ہے ۔
۳ ۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''کوے کے جھونجھ'' ہے ۔

تب اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے ۔

راجا نے جب ایسی کڑی بات کہی ، سکنتلا خفا ہو بولی ''ارے بے انصاف ! تو کیا کہتا ہے ۔ تو نے مجھ سے کی ٹھگی ، تب میں نے تجھے ٹھگ نہ جانا ، جو تو نے کہا سو میں نے مانا ۔''

یہ کہا اور سر نیچے کر لیا ۔ آنکھوں سے ایسی جھڑی لگائی ، پل مارتے میں اس نے ندی بہائی ۔

تب خفا ہو کر دونوں چیلے اس سے کہنے لگے ''شروع الفت میں تو نے کسو کو نہ جتایا ، جیسا کیا ویسا اس کا پھل پایا ؛ بغیر امتحان کیے کی آخر یہی سزا ہوتی ہے ۔''

سکنتلا سے کہہ کر پھر راجا سے کہا ''سن تو اب یوں بات ہماری ، بھلی بری یہ عورت ہے تمھاری ؛ چاہو اسے رکھو ، چاہو اسے نکال دو ، ہم سے کچھ مت کہو ۔''

پھر ہاتھ پکڑ گوتمی کا دونوں چیلے گھر کو پھر چلے ۔ سکنتلا بھی روتی ہوئی ان کے پیچھے یہ کہتی چلی ''تم نے بھی چھوڑا اور راجا نے بھی ۔ اب میں بے شرم بے کس کہاں جاؤں ۔ مجھے تم چھوڑ کر جو اب چلے ہو ، میں دوں گی جان اپنی غم سے رو رو :

شعر

نہ کوئی مونس و غم خور مرا ہے
ہے اک دل سو بلا میں مبتلا ہے

وے خفا ہو کر بولے ''اے کم بخت ! تو ادھر کہاں آتی ہے ، اب کر جو تیرے دل کو اچھا لگے ۔ جیسا راجا کہتا ہے اگر تو ویسی ہی ہے تو منی ایسی لڑکی کو کیا کرے گا ، اور جو

سچ ہے تیرا کہنا تو لازم ہے تجھے پی کے گھر رہنا ۔ منی کے یہاں تو جا کر رہے گی تو تجھے ساری دنیا کلنک لگاوے گی ۔ جو خاوند کی لونڈی بھی ہو کر رہے گی تو بھی تجھ پر ہنسی نہ ہوگی ۔''

یہ کہہ کر چیلے چلے ۔ تب راجا نے انھوں کو پکارا ''کہاں اسے چھوڑے جاتے ہو ؟ اس کے باپ کو لے جا کر سو نپو ۔''

چیلوں نے پھر کر جواب نہ دیا ۔ وے چلے گئے ، یہ باہر روتی رہ گئی ۔

یہ اس کی بپت دیکھ کر سوم راج پروہت نے ترس کھا ، راجا کے پاس آ کر کہا ''لڑکا جب تلک اس سے ہووے ، تب تلک یہ رہے ۔ اگر تمھارا بیٹا ہو گا تو سب راجوں کا راجا ہو گا ۔ تمام پنڈت پکارے کہتے ہیں ، جب یہ لڑکا جنے گی اور لچھن راجوں اس میں پائے جاویں گے تو اسے سچا جاننا اور اپنے محل میں داخل کرنا ۔ جو اس میں جوہر ذاتی پائے نہ جائیں تو کن منی کے گھربھیج دینا ۔ منی اور رکھی لوگوں کی بد دعا سے لوگ بے ہوش ہوجاتے ہیں اور سراپ مٹنے سے سدھ میں آتے ہیں ، تب پیچھے پچھتاتے ہیں ۔''

یہ سن کر راجا نے کہا ''کرو جو تمھارے دل میں آوے ۔'' یہ حکم راجا سے لے کر سکنتلا سے کہا ''تو ہمارے گھر چل ۔''

چیلے تو اس طرح چھوڑ گئے ، راجا نے یوں چھوڑا ، سکنتلا روتی ہوئی سوم راج کے ساتھ چلی ۔ اتنے میں ایک آگ کا شعلہ پیدا ہوا اور سکنتلا سے لپٹ کر اٹھا ۔ زمین سے آسمان پر لیے گیا ۔ وہ شعلہ اس کی ماں تھی کہ جس کا نام منیکا پری کہتے ہیں وہ ان باتوں سے جل بل کر اسے یوں لے گئی ۔

جب وہ بجلی سی چمک کر نظروں سے غائب ہوئی ، تب
پروہت راجا پاس دوڑا آیا ۔ کہا ''مہاراج ! تعجب کی بات ہے !
ایک اچنبھا دیکھا میں نے اپنی آنکھوں سے ۔ آنسوؤں کی مالا
پروتی ہوئی جب وہ میرے ساتھ چلی اور بے اختیار ہو کہنے لگی
''میں بے کس ہوں ، میرا کوئی نہیں'' تب ایک آگ کا شعلہ سا
آیا اور اسے آسمان پر لے گیا ۔''

یہ سن کر راجا نے خوش ہو کر کہا ''ہم نے پہلے ہی
اسے پہچانا تھا ، خدا نے اچھی بات کی ۔''

یہ کہہ کر پروہت اپنے گھر کو آیا ، راجا اٹھ کر اپنے سونے
کے مکان میں گیا ۔ تب بھی اسے سرت نہ آئی لیکن دل میں
فکر مند ہوا ۔ رات کی نیند ، دن کی بھوک جاتی رہی ، نہایت
اداس رہنے لگا ۔

اور جو انگوٹھی سکنتلا نے تالاب میں گرا دی تھی ، اسے
کسی دھینور نے پایا اور بازار میں بیچنے لے گیا ۔ جوہریوں نے راجا
کا نام کھدا دیکھ کر اسے چور جان کر پکڑا ، کوتوال کے یہاں
لے جا کر قید کروا دیا ۔

کوتوال نے اسے مارا باندھا اور پوچھا ''تو نے یہ
انگوٹھی کیوں کر چرائی اور کہاں سے پائی اور کس طرح تیرے
ہاتھ آئی ؟''

اس نے کہا ''صاحب ! میں نے نہیں چرائی مگر تالاب میں
سے پائی ؛ جال میں نے تالاب میں ڈالا تھا ، اس میں لگ آئی ۔''

یہ سن کر انگوٹھی لے کوتوال نے چھوڑ دیا اور راجا
کے پاس آ ، انگوٹھی دکھائی ؛ تب اس کو سکنتلا کی یاد آئی ۔
انگوٹھی ہاتھ میں لیتے ہی درد نے دل میں گھر کیا ، آرام چین
یک لخت جاتا رہا ، رونے لگا سر پر دونوں ہاتھ مار ہائے ہائے

کر پکارا ، خوشی نام کو نہ رہی ۔ دل میں سوچنے لگا ''کس سے کہوں ، یہ میں نے کیا کیا ، اپنے گلے پر چھری دی ۔ وہ دوست میرے پاس آئی تھی ، میں نے دشمنی کی ، مجھ سے رکھی نہ گئی ۔ تب تو بھول گیا تھا ، اب وہ سب باتیں یاد آئیں ۔ اس نے تو حجاب کا پردہ درمیان سے اٹھا کر سب بھید بتایا ، تب بھی میرے دل میں کچھ نہ آیا ۔ ادھر سے میں نے اس نازنین کو چھوڑا ، آدھر سے وہ چیلے اسے چھوڑ گئے ۔ شور کر کے وہ راہ میں رونے لگی ، تب بھی محبت میرے دل میں نہ آئی ۔ اب کانٹا جدائی کا دل میں کھٹکے ہے ، چھاتی پھٹتی ہے ، سانس دم بہ دم اٹکے ہے ۔''

جب سے کوتوال نے لا انگوٹھی دی ، تب سے عجیب حالت اس فراموش کار پر ہونے لگی ۔ دل میں درد ، رنگ زرد ، نہ دن کو بھوک ، نہ رات کو نیند؛ زاری اور بے قراری سے سروکار۔ بیراگ سے راگ بھی خوش نہ آتا ، آٹھ پہر درد دل سے کڑھتا تھا ۔ اگر جوں توں دن کاٹتا تو رات نہ کٹتی اور رات کاٹتا تو دن نہ کٹتا ۔

راجا کے اس غم سے شادی شہریوں کے دلوں سے ایسی جاتی رہی کہ کوئی خوشی کا خیال بھی نہ لاتا ۔ لڑکوں نے کھیلنا بھلا دیا ، جوانوں کی حالتیں بوڑھوں سے بدتر ہوگئی تھیں ۔ کسی کے لب سے ہنسی آشنا نہ تھی ، ہر ایک کے منہ پر اداسی چھا رہی تھی ۔ وہ جو سکھ کا دینے والا راجا سکنتلا کے دکھ کے دریا میں ڈوب گیا تھا ، عورت و مرد کے دلوں سے آرام رم کر گیا تھا ۔ بدلی غم کی تمام شہر میں چھا رہی تھی ، خوشی بے کار تھی ۔ فراق زدہ مہاراج کے راج میں بسنت رت کی آمد ذرا بھی کہیں نظر نہ آتی تھی ۔ کوئل کو بولنے نہ دیتے بلکہ درختوں

سے مار مار اڑاتے تھے[1] ۔ خوشبوئی بازار میں بکنے نہ پاتی ۔ رنگین کپڑوں کا پہننا تو معلوم ، اگر بندھے بندھائے پاتے تو انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ۔ پھولوں کا تو مذکور کیا ، کچی کلیاں جو ٹہنیوں پر دیکھتا توڑ توڑ کر خاک پر پھینک دیتا ۔

یہ احوال[2] تو شہر کے لوگوں کا تھا ، اور راجا بیمار سا دن بدن زرد ہوا جاتا تھا ۔ من مارے ہوئے بے کل رہتا ، بار بار چھاتی بھر آتی اور آنکھ آنسوؤں کی جھڑیاں لگاتی ۔ راج کاج سے دل اٹھائے اکیلا بیٹھا رہتا ۔ بھرا جہان اسے خالی معلوم ہوتا ، کچھ اچھا نہ لگتا ۔ دل میں خیال اس کا کر کے آنکھیں بند کر لیتا اور اس کے دھیان میں پہروں باتیں کر کے دل بے تاب کو تسلی دیتا ۔ کبھی اس کو خیال میں سامنے[3] کر کے کہتا ''تم سختی دل سے دور کرو ، ظاہر ہو[4] مجھ غمگین کو دکھائی دو ، تب مجھے تمھاری یاد نہ آئی ، جیسی کی ویسی میں نے اب سزا پائی ۔ کدورت اپنے دل سے صاف کرو ، خدا کے واسطے ایک تقصیر میری معاف کرو ۔ میں جیسا ہوں ویسی ہی مجھ سے بن آئی ، تم اپنی بھلائی نہ چھوڑو ؛ غصہ جانے دو ، دل میں رحم کر کے ادھر منہ موڑو ۔''

یہ کہہ کر راجا کو غش آ گیا ، منہ پر زردی چھا گئی ، بدن پسینا پسینا ہو گیا ، ہاتھ پاؤں سے حرکت جاتی رہی ۔ اتنے میں چتری[5] نام ایک چیری راجا کے پاس دوڑی آئی ۔ یہ حالت دیکھ کر

---

١ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'تھے' نہیں ہے ۔
٢ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'یہ تو احوال' ہے ۔
٣ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'سامھنے' ہے ۔
٤ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'ہو کر' ہے ۔
٥ ۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'چتر کا' ہے ۔

بے اختیار روئی اور پنکھا جھلنے لگی - جب کچھ ہوش آسے آیا ، غفلت سے آنکھ کھول دی - سر پر لونڈی کو روتے دیکھ ، آہ کر کے بولا ''تجھے کیا کام تھا جو تو ادھر آئی ؟ میں کس آرام میں تھا ، کیوں مجھے جگا کر بے چین کیا ؟ پھر تو نے نئے سر سے یاد دلائی -''

غم کی ایک کتاب جب اس نے کھولی تب وہ چتری لونڈی بولی ''مہاراج ! معلوم نہ ہوا کہ سکنتلا کو یک بیک راہ میں سے کوئی چھلاوہ تھا جو یوں چھل کر لے گیا ، پھر ظاہر نہ ہوا کہ کیا ہوگئی ؟''

تب راجا نے کہا ''منیکا پری جو اس کی ماں[1] تھی ، آڑا کر لے گئی - جب آس نے آسے اس حالت سے دیکھا کہ ادھر میں نے منہ نہ لگایا اور بے مروتی سے پیش آیا - ہر چند وہ منت و زاری سے کس کس طرح جتا جتا کر اور یاد دلا دلا کر کہتی رہی ، آنسوؤں کی ہر ایک آنکھ سے اس کی ندیاں بہتی رہیں ، تب بھی میں نے غفلت سے کچھ پروا اس کے احوال پر نہ کی - آدھر منی کے دونوں چیلوں نے یہ حالت دیکھ ، چھوڑ کر گھر کی راہ لی ، سہر مادری سے آس ماہ لقا کو آس کی ماں نے اس بلا سے نجات دی -''

چیری اس بھید سے آگاہ ہو کر بولی ''اختیار کی باگ ہاتھ سے نہ دیجیے اور تھوڑے دنوں صبر کیجیے - امید قوی ہے کہ تمھارا آس کا ملاپ ہوگا - وہ تمھاری عاشق زار ہے اور تمھارے دام الفت میں گرفتار ہے - جس کی یہ حالت بیان کی ، کیوں کر آسے بغیر تمھارے کل پڑے گی - جب تمھارے عشق میں اس کی بے قراری اور

۱- نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ع اور انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''ما'' ہے -

نالہ و زاری اس کی ماں دیکھے گی کب اُسے گوارا ہوگا کہ وہ[1] بسمل تیغ عشق کی تڑپ تڑپ[2] کر یوں جان دے ۔ علاج اُس جاں بلب آمدہ کا تمھارے لب جاں بخش سے کرے گی ۔ خاطر پریشان کو جمع کیجیے اور جو میں نے خدمت عالی میں عرض کی ہے ، وہ شدنی ہے ، ہو[*] جانیے ۔''

وہ کہنے لگا ''ایسی قسمت میری نہیں ! میں یہاں خاک پر وہ وہاں افلاک پر ۔ میرے اس کے زمین و آسماں[3] درمیان ہے ، ملاپ ممکن نہیں کہ ہوگا :

قطعہ

درد میرے دل سے کب یہ جائے گا
چین یک دم مجھ کو کیوں کر آئے گا
کاش تو جلدی نکل جا تن سے جی
ورنہ اب ایذائیں کیا کیا پائے گا

پھر چیری نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی ''میں نہیں کہتی تم سے بات جھوٹھی ، یہ کیوں کر مل گئی انگوٹھی ، کب یہ پانی میں گری تھی؟ کس وقت ملاح نے پائی ، پھر کہاں سے مہاراج کے ہاتھ میں آئی ؟''

اُسے چترائی سے اس نے یوں سمجھایا اور اُس الفت کے دیوانے

۱۔ لفظ ''وہ'' نسخہ مطبوعہ نول کشور میں نہیں ہے ۔
۲۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''تڑپھ تڑپھ'' ہے ۔
۳۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ہے :
''میرے اس کے فرق زمین و آسمان کا درمیان ہے ''۔

نے یہ بھید انگوٹھی کا سن پایا ۔ وہ جو برہ کے دریا میں ڈوبا ہوا تھا ، اُسی انگوٹھی سے یوں کہنے لگا ''میں سمجھا تھا دنیا میں ایک میں ھی کم بخت ہوں پر تو بھی بڑی بے نصیب ہے ۔ تجھے وہ معشوقیت سے ھاتھ میں رکھتی تھی ، تو چھوٹ اُس سے جدا ہوئی اور میں بھی[1] ڈھونڈھتا ہوں کہ وہ میری آرامِ جاں کیا ہوئی؟ ہم دونوں کو پچھتاوا ہے ۔ مجھے اس کی دوری نے مرنے کے نزدیک پہنچایا اور تیرے لیے یہ حلقہ تیرا بس گرداب ہے ۔ کہاں مجھے ویسی صورت نظر آوے گی اور کب تو ویسا ھاتھ پاوے گی ؟''

وہ بے حواسی میں دیوانہ سا بے کل رھتا تھا اور جی میں جو آتا تھا سو کہتا تھا ۔

اب سکنتلا کا احوال سنو ! جب منیکا اُسے وھاں سے اُٹھا کر لے گئی ، کشیپ[2] منی کے استھان میں جا کر اُتارا ، بود و باش اس کی وھیں مقرر کی ، رات دن وھاں رھنے لگی ۔ جب حمل کے دن پورے ہوئے ، ایک لڑکا صاحب جمال پیدا ھوا اور اس کے سوتے طالع جاگے ۔ بھرت نام اس لڑکے کا رکھا اور پرورش پانے لگا ۔

جب کچھ ایک بڑا ھوا ، منی نے ایک گنڈا بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا ۔ گن اس میں یہ تھا کہ اس کے ماں باپ سوا جو کوئی اُسے چھوئے ، کالا سانپ ھو کر اُسے ڈسے ۔

یہاں کا تو یہ ماجرا ، اور کتنے ایک دنوں کے بعد منیکا پری نے راجا اندر سے جا کر کہا ''تم راجا دشمنت کو یہاں بلا بھیجو؛ وقت ملاقات کے سمجھا ، سکنتلا کے احوال کی یاد دھی کر ، ھاتھ

۱- انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''ھی'' ہے ۔

۲- انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''کشپ منی'' ہے ۔

پکڑ ملاؤ۔ آپ کی توجہ سے آپس میں ان دونوں کا ملاپ یوں نظر آتا ہے۔''

راجا نے قبول کر اس کے بلانے کے لیے ماتل رتھ بان کو حکم کیا کہ تخت لے جا اور دشمنت کو ہماری طرف سے پیغام دے کر جلد سوار کرکے لے آ۔

ماتل بہ موجب امر کے[1] روانہ ہوا۔ جب وہاں سے راجا کی ڈیوڑھی پر پہنچا، وہ تو دکھ میں تھا کہ رتھ بان نے اہل کاروں اور عرض بیگیوں سے ظاہر کیا ''مجھے راجا اندر نے بھیجا ہے، خبر کرو۔''

چوب داروں نے سنتے ہی راجا سے عرض کی ''مہاراج! راجا اندر نے ماتل رتھ بان کو بھیجا ہے اور ایک خوبصورت تخت[2] واسطے آپ کی سواری کے لیے آیا ہے۔''

راجا نے وہیں بلا لیا۔ ماتل نے سلام کیا، تب راجا نے یہ پوچھا ''کہو سب کے سکھ دینے والے راجا اندر خیر و عافیت سے رہتے ہیں؟'' اس نے صحت و سلامتی بیان کرکے عرض کی کہ مجھے مہاراج نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ دیو ہم سے لڑتے ہیں، ہماری کمک کو آئیے اور انھیں سزا کو پہنچائیے۔

راجا نے اس کی خیر و عافیت پوچھی۔ پھر راجا اندر کی تعریف کرنے لگا ''زہے نصیب ہمارے کہ راجوں کا راجا مہاراج ہمیں اس مہربانی سے یاد فرماوے! یہ محض بندہ نوازی ہے، وگرنہ ہماری کمک کے کب محتاج ہیں۔ جس بندے کو حکم کریں، ایک

۱۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور میں ''کے'' نہیں ہے۔
۲۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ہے:
''اور ایک خوبصورت تخت آپ کی سواری کے واسطے لایا ہے۔''

ان میں ان کا کام تمام کر دے۔''

پھر اچھی اچھی پوشاک پہن کر ، تمام ہتھیار بدن پر سج کر تخت پر بیٹھ ، خدمت میں راجا اندر کی روانہ ہوا۔ جب آدھی راہ طے کرکے نصف آسمان تک پہنچا ، ایک پہاڑ اچھا نظر پڑا۔ رتھ بان سے پوچھا ''یہ کوہ بہ‌ایں شکوہ کون سا ہے اور کیا نام اس کا ہے[1] ؟'' اس نے عرض کی ''ہیم کوٹ اسے کہتے ہیں۔ اس میں کشیپ منی رہتے ہیں۔''

راجا نے کشیپ منی کا نام سن کر اُس سے کہا ''تخت کو اس طرف پھیر ، ہم اُن کا درشن کریں گے۔''

وہ تخت اُس طرف چلا۔ جب نزدیک جا پہنچا ، تخت سے اتر وہاں کی سیر کرنے لگا۔ پھول رنگ بہ رنگ کے تمام اس پر کھلے ہوئے دیکھے ، پانی چشموں سے جاری ، درخت سب میوہ دار ، ہر ایک ٹہنی پر جانور بول رہے اور چہچہے کر رہے۔

اُس کے سوا اور ایک تماشا دیکھا کہ ایک لڑکا خوبصورت چھوٹی سی عمر کا ، شجاعت کے تمام آثار اس کی پیشانی سے روشن ہیں ، شیر کے بچے سے کھیل رہا ہے۔ گردن و بازو اس کا پکڑ کر[2] زور کرتا ہے۔ اور دو تپشنیں اس کے ساتھ ساتھ ہیں ، ہر چند وے منع کرتی ہیں وہ نہیں مانتا ، کلا جبڑا اس کا چیر چیر کر دانت گنتا ہے۔

راجا کو اس کی بہادری سے تعجب ہوا اور جی میں محبت پیدا ہوئی۔ اپنے دل میں کہنے لگا ''جیسے اپنے لڑکے کو دیکھ کر

۱- انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ہے :
''اور اس کا نام کیا ہے ؟''

۲- انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''پکڑ پکڑ'' ہے۔

پیار آتا ہے، ویسی ہی اس لڑکے کی مجھے الفت ہوئی۔ اللہ نے مجھے بے اولاد رکھا، پرائے بیٹے کو حسرت سے دیکھتا ہوں۔''

پھر ان تپشنوں سے پوچھنے لگا کہ چھوٹی سی عمر اس کی اور یہ جرأت و دلاری! کس کا یہ بیٹا ہے؟ اس کے باپ کا کیا نام ہے؟''

بولیں ''کیا کہیں اور کیا بتاویں۔ اس کے باپ کم بخت کا یہاں کوئی نام نہیں لیتا۔ ماں اس کی خوبصورت اور خوش سیرت، سر سے پاؤں تلک شرم و حیا؛ سو اس بے تقصیر کو اس کے باپ نے حمل سے بھی گھر میں نہ رکھا، بے عزتی سے نکال دیا۔''

یہ سن کر راجا کے جی میں شک ہوا اور فکر کے دریا میں ڈوب گیا۔ پوچھنے لگا کہ باپ تو اس کا گنہ گار ہے لیکن اس کی ماں کون ہے؟ اس کا احوال ظاہر کرو۔''

راجا نے جب یوں پوچھا، تپشنوں نے جواب دیا ''اس بہادر کی ماں کا نام سکنتلا ہے۔ جب راجا نے اسے نکال دیا تب اس کی ماں منیکا پری آسے اس احوال میں دیکھ کر وہاں سے یہاں لے آئی۔''

سنتے ہی جتنا شک جی میں تھا جاتا رہا۔ چھاتی بھر آئی اور جی میں کہنے لگا کہ منزل مقصود کو ہم پہنچے۔ بے اختیار ہوکر لڑکے کو گود میں اٹھا لیا اور چھاتی سے لگا کر تپشنوں سے کہا ''جس کا نام زبان پر نہیں لاتیں[1] وہ گنہ گار میں ہی ہوں۔ جو کچھ قصور ہوا مجھ سے ہوا، اس بے تقصیر کا تقصیر وار میں ہوں۔ اب میری تقصیریں معاف کرو اور میرا آنا جا سناؤ اور اس آرام جان کو مجھ سے ملاؤ۔''

لڑکے کو گلے سے لگائے وہ یہ کہتا تھا۔ اور گنڈے کی تاثیر

۱۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''نہیں لیتی'' ہے۔

سے ظاہر تھا کہ کوئی غیر اسے اگر ہاتھ لگاتا تو وہ گنڈا آسے سانپ ہوکر ڈستا ۔ اس سبب سے انھیں بھی یقین ہوا کہ یہ اس کا باپ ہے ۔ وہ دوڑ کر سکنتلا کے پاس گئیں اور سارا وہ احوال بیان کیا اور ساتھ لائیں[1] ۔ ہر چند اس نے سن کر تغافل کی لیکن کشش محبت کی کھینچ لائی ۔

راجا نے خجالت سے اس حجاب زدی کو دیکھا کہ درد فراق اس کے دل میں کار گر ہے اور احوال اس کا نوع دگر ہے ؛ منہ اترا ہوا ، بال سر کے چکٹے ہوئے ، کپڑے بدن کے میلے۔

وہ جو اس صورت سے نظر آئی ، زار زار رونے لگا اور وہ شرم سے سر نہوڑائے ہوئے پاس آ کھڑی ہوئی ۔ اس وقت راجا کو اور بات کچھ بن نہ آئی ، پاؤں پر گر پڑا ۔ سکنتلا بولی ''کیوں مجھے گنہ گر کرتے ہو؟ آپ بھی رونے لگی اور سر کو پاؤں پر سے اٹھا کر کہا ''مہاراج ! اب تمھیں کیوں کر ہوش آیا ؟''

راجا نے کہا ''تقصیر میری معاف ہو ! کچھ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کیا ہوگیا تھا جو میں نے بے نالائق باتیں کیں ، لیکن اتنا دریافت ہوتا ہے کہ یہ انگوٹھی جب میں نے پائی تب مجھے سدھ بھولی ہوئی یاد آئی ۔ تب سے جان وبال تن ہے ، ایک دم کی دوری ہزار طرح کا رنج و محن ہے ۔ جو کچھ مجھ سے گنہ ہوا ہے ، معلوم نہیں ہوتا کیا اسرار تھا ! خفگی جانے دو ، میں اپنے گناہ کا آپ اقرار کرتا ہوں ، اس سے در گزرو ، جو جو بے مروتیاں اور[2] سختیاں میں نے کیں ہیں ، لطف و مہربانی سے انھیں بھول جاؤ ، خاطر میں ہر گز نہ لاؤ ۔ مجھے سخت پشیمانی حاصل ہوئی ہے ۔ پس اب

۱۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''لے آئیں'' ہے ۔

۲۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۵ع میں ''اور'' نہیں ہے ۔

رنجیدگی دور کرو ، میرے دل غمگین کو مسرور کرو۔'' یہ کہا اور ہزار ہزار منت و سماجت کی ۔

سکنتلا نے کہا ''مہاراج ! گناہ تمھارا کچھ نہیں ، یہ میری قسمت کی برائی ہے ۔'' آپس میں وے دونوں عاشق و معشوق یے باتیں کر رہے تھے جو کشیپ[1] منی نے راجا کے آنے کی خبر سن کر بلایا ۔ وہ لڑکے کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے جب پاس گیا ، پہلے ڈنڈوت کرکے قدم لیے ، پھر ہاتھ باندھ کر گنہ گاروں کی طرح آگے کھڑا رہا ۔ سکنتلا بھی سر نیچے کیے ہوئے حاضر ہوئی ۔ انھوں کی طرف غور و تامل سے دیکھ کر منی نے کہا کہ راجا ! یہ اپنے خاندان کی بہت نیک ہے اور یہ بیٹا اس کے یہاں اچھی ساعت میں پیدا ہوا ہے ۔ لچھن اس میں سب خوب ہیں اور تم بھی نیک ذات اور نیک صفات ہو ، سنجوگ تمھارا نیک ہوا ہے ۔''

جب اس نے یہ خوبیاں بیان کیں ، تب راجا نے ہاتھ جوڑ کر کہا ''میرے دل میں جو گمان بد اور خیال[2] ہوا تھا سبب اس کا مجھے کچھ دریافت نہیں ہوتا ، اس سے مجھے آگاہ کرو ، کیا باعث اس کا تھا ؟ اور تم سے کچھ چھپا نہیں ، گذشتہ و حال و آئندہ کا سب احوال تم پر روشن ہے ۔ اور میں تم سے اس لیے پوچھتا ہوں کہ میں نے گندھرو بیواہ[3] کرکے سر رشتہ الفت کا بڑھایا کہ کبھی تار دوستی کا نہ ٹوٹے ۔ کیا سبب ہے کہ برعکس اس کے مجھ سے عمل میں آیا ؟ خبر کچھ نہ رہی ، اپنے قول و اقرار پر میں نہ رہا ۔ جب یہ یار وفادار میرے گھر میں آئی ، سوز و گداز اپنا شمع کی مانند

۱۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''کشپ'' ہے ۔

۲۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''خیال فاسد'' ہے ۔

۳۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں ''گندھرب بواہ'' ہے ۔

زبان پر لائی ، تب بھی مجھے کچھ پروا نہ ہوئی اور اس کے جدا ہونے سے بھی کچھ خیال نہ گذرا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آئی تھی اور کدھر گئی ؟ پھر دیکھتے ہی انگوٹھی کے کیوں کر یاد آئی ؟ یہ بڑا تعجب ہے!''

راجا نے جب اپنے دل کا یہ شبہ بیان کیا ، تب منی نے ہنس کر جواب دیا ''سکنتلا کو منیکا جس وقت یہاں لائی تھی ، اسی آن سوچ کر میں نے دھیان کیا تو پردہ اس راز کا تمام مجھ پر کھل گیا ۔ دربارسا منی نے غصے سے سکنتلا کو سراپا تھا کہ راجا کو تیری طرف سے ایسی غفلت ہووے گی کہ تجھے بھول جاوے گا ، بہت دنوں تک روے گی ۔

غرض جو کچھ اس کے حق میں بد دعا دی تھی ، اس کے آثار سب کچھ نظر آئے ۔ اس میں تقصیر تمھاری کچھ نہیں ۔ اور وہ سراپ سکھیوں نے سنا تھا ، سکنتلا کو اس سے خبر نہ تھی اور انھوں نے بھی مناسب وقت نہ جانا جو کہتیں[1] مگر درباسا رکھی[2] کے ہاتھ پاؤں پڑ کے انھوں نے بہت عاجزی اور منت و زاری کی ، تب اس منی کے جی میں کچھ رحم آیا اور یہ بھید بتایا کہ راجا اس کی طرف سے غفلت کرے گا ۔ جب انگوٹھی اپنی پاوے گا تب اس کو سکنتلا کی بھولی ہوئی یاد پھر آوے گی لیکن کتنی مدت یہ ایذائیں اٹھائے گی ۔ یہ کہہ کر وہ منی چلا گیا تھا اور اس کی بد دعا نے یہ اثر کیا تھا کہ تم نے دل سے اس کی یاد بھلائی تھی اور انگوٹھی لیتے[3] ہی سدھ آئی ۔ کچھ اور تم دل میں

۱۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''کہتیاں'' ہے ۔

۲۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ''رکھ'' ہے ۔

۳۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'ملتے' ہے ۔

اندیشہ نہ کرو ، میری بات یقین جانو - اور کن منی نے بھی بدسلوکی تمھاری چیلوں کی زبانی سن کر تمھیں تقصیروار نہ ٹھہرایا ، سراپ درباسا منی کا دھیان میں لایا -

تمھاری بدسلوکی کی باتیں منیکا سے سن کر راجا اندر نے تمھیں بلایا ھے - منیکا نے عرض کی تھی ، تم راجا دشمنت کو بلا کر سکنتلا کو ملا دو - سو یوں اتفاق ھوا ، اب سکنتلا کو اور اپنے بیٹے کو لے کر گھر پھر[1] جاؤ - خوشی و خرمی سے عیش و عشرت کرو -''

یے باتیں ھو رھی تھیں کہ ایک وکیل راجا اندر کا وھاں آ پہنچا - اظہار کیا کہ راجا اندر نے کہا ھے جو ھمیں منظوم تھا وہ مقصد راہ میں پورا ھوا ، اب تم اپنے مکان کی طرف پھر جاؤ -

یہ سنتے[2] ھی ڈنڈوت کرکے اور تخت پر سکنتلا اور لڑکے کو بیٹھا کے آپ سوار ھوا اور ساتھ لے کر انھیں گھر آیا -

اس طور اُن مشتاقوں کی آپس میں ملاقات ھوئی ، طالع سوتے ھوئے دونوں کے جاگے ، دکھ درد ان کے دلوں سے یک لخت بھاگے ، دونوں خوش و خرم ھوئے - سکنتلا رانی ھوئی اور راجا اپنے راج میں حکم رانی کرنے لگا ، تمام رعیت ان کی خوشی سے شاد ھوئی ، وہ نگری پھر سر نو آباد ھوئی - سب مطالب و مقاصد ان کے دلوں کے بر آئے ، اپنے[3] حسن و جوانی کے خوب مزے اٹھائے -

---

۱- انتخاب فورٹ ولیم کالج میں 'پھر' نہیں ھے -

۲- انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں عبارت اس طرح ھے :
''اور تخت پر سکنتلا اور لڑکے کو بٹھا ، آپ بھی سوار ھو، ساتھ لے کر انھیں گھر آیا -''

۳- انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں 'اپنے اپنے' ھے -

اب یہ کہانی یہاں تمام ہوئی ، لفظ[1] معانی سے بخوبی سر انجام ہوئی ۔ از بس کہ زبان ریختہ میں لکھی ، سال ھجری کے موافق ریختہ[2] تاریخ ہوئی :

بیت[3]

سکنتلا کا ہے احوال اس میں بس مذکور
سکنتلا کے اسے نام سے کیا مشہور

۱۔ انتخاب مطبوعہ فورٹ ولیم کالج میں ایک فقرہ زائد ہے ۔ پوری عبارت اس طرح ہے ۔
"اب یہ کہانی یہاں تمام ہوئی ۔ اے جوان ! لفظ و معنی سے خوب سرانجام ہوئی ۔"

۲۔ لفظ "ریختہ" کے اعداد ۱۲۱۵ ہیں ۔ اس لحاظ سے کتاب ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ع میں ترجمہ ہوئی (مرتب)

۳۔ انتخاب فورٹ ولیم کالج میں آخری شعر کی صورت بدلی ہوئی ہے :
سکنتلا کا جو احوال اس میں ہے مذکور
سکنتلا کے اسے نام سے کیا مشہور

اردو کی کلاسیکی کتابیں

مکتوبات

۱ - مکتوبات سرسید
از سر سید احمد خاں ۔ ۱۰-۰۰
۲ - موعظۂ حسنہ
از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
سفید کاغذ - ۴-۰۰
اخباری کاغذ - ۳-۲۵

سفرنامہ

۳ - مسافران لندن
از سر سید احمد خاں - ۳-۰۰

تذکرہ

۴ - سوانح مولانا روم
از شبلی نعمانی - - ۲-۵۰
۵ - حیات سعدی
از خواجہ الطاف حسین
حالی - - - ۲-۵۰

تاریخ و سوانح

۶ - قصص ہند
از مولانا محمد حسین آزاد ۲-۰۰
۷ - آرایش محفل
(ترجمہ خلاصۃ التواریخ فارسی)
از شیر علی افسوس
اخباری کاغذ - ۶-۵۰
سفید کاغذ - ۸-۰۰
۸ - یادگار غالب
از خواجہ الطاف حسین حالی
سفید کاغذ - ۹-۰۰
اخباری کاغذ - ۷-۰۰

معاشرت

۹ - رسوم ہند
از رائے بہادر ماسٹر پیارے
لال آشوب دہلوی و کپتان
ڈبلیو۔ جے۔ہالرائیڈ - ۳-۵۰

ناول

۱۰ - امراؤ جان ادا
از مرزا رسوا لکھنوی - ۵-۰۰
۱۱ - ابن الوقت
از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی۔ ۳-۵
۱۲ - فسانۂ مبتلا
از ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
سفید کاغذ - ۴-۵۰
اخباری کاغذ - ۳-۷۵
۱۳ - فردوس بریں
از عبدالحلیم شرر - - ۲-۰۰

ڈراما (نثر)

۱۴ - وکرم اروسی
از مہا کوی کالی داس
ترجمہ محمد عزیز مرزا لکھنوی
۱-۷۵

ڈراما (نظم)

۱۵ - مرقع لیلیٰ مجنوں
از مرزا رسوا لکھنوی
سفید کاغذ - ۲-۵۰
اخباری کاغذ - ۱-۷۵

داستان اور حکایات

۱۶ - مذہب عشق (گل بکاؤلی)
از نہال چند لاہوری - ۲-۰۰

۱۰ - لورتن
از محمد بخش مہجور
سفید کاغذ - ۶-۰۰
اخباری کاغذ - ۳-۷۵

۱۸ - سروش سخن
از فخر الدین حسین سخن
سفید کاغذ - ۵-۰۰
اخباری کاغذ - ۳-۷۵

۱۹ - خرد افروز
(ترجمہ عیار دانش)
از شیخ حفیظ الدین احمد
سفید کاغذ - ۳-۵۰
اخباری کاغذ - ۳-۵۰

۲۰ - جوہر اخلاق
از جیمز کار کرن
سفید کاغذ ۱-۵۰
اخباری کاغذ ۱-۰۰

۲۱ - جامع الحکایات ہندی
سفید کاغذ ۳-۰۰
اخباری کاغذ ۲-۲۵

۲۲ - اخلاق ہندی
از میر بہادر علی حسینی
- - - ۳-۰۰

نظم (دواوین)

۲۳ - مہتاب داغ
از نواب مرزا خاں داغ
دہلوی - ۷-۵۰

۲۴ - دیوان درد
از خواجہ میر درد - ۳-۵۰

قواعد اردو

۲۵ - رسالۂ گل کرسٹ
(قواعد زبان اردو)
از گل کرسٹ
سفید کاغذ ۲-۰۰
اخباری کاغذ ۱-۵۰

داستان (نظم)

۲۶ - بہار دانش
از مرزا جان تپش - ۳-۰۰

مقالات

مقالات سرسید (احمد خاں)
مرتبہ شیخ محمد اسماعیل
پانی پتی

	پیسے روپے
۲۷ - حصہ اول - - -	۳-۵۰
۲۸ - حصہ دوم - - -	۲-۵۰
۱۹ - حصہ سوم - - -	۳-۰۰
۳۰ - حصہ چہارم - -	۲۵-۲۵
۳۱ - حصہ پنجم - - -	۳-۵۰
۳۲ - حصہ ششم - - -	۳-۵۰
۳۳ - حصہ ہفتم - - -	۳-۵۰
۳۴ - حصہ ہشتم - - -	۱-۷۵
۳۵ - حصہ نہم - - -	۲-۵۰
۳۶ - حصہ دہم - - -	۲-۷۵
۳۷ - حصہ یاز دہم - -	۸-۰۰
۳۸ - حصہ دواز دہم - -	۳-۰۰
۳۹ - حصہ سیز دہم - -	۸-۰۰
۴۰ - حصہ پانز دہم - -	۵-۰۰